مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب

ایک تبصرہ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے
موجودہ اقتصادی حالت پر مالیات عامہ نے کیا کیا اثر ڈالے ہیں

از

جے۔ سی۔ کماں رپّا

ایم۔ اے۔ بی۔ ایس سی (تجارت)

فیلو (رفیق) آوف سوسائٹی اوف انکورپوریٹیڈ اکاؤنٹس اینڈ اوڈٹ

فیلو اوف رائل اکنامک سوسائٹی

پروفیسر اوف پبلک فائنانس (مالیات عامہ)

گجرات ودیاپیٹھ

مترجمہ

قاضی محمد حسین

مطبوعہ برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور پٹنہ

سنہ ۱۹۳۲ء

فہرست مضامین

صفحہ

فہرست تتمجات

معنون

وہ، جو دھوپ اور گرمیوں کی مصیبت اُٹھاتے ہیں۔
جن کا اسراف یہ ہے کہ وہ دنیا کی سرف ترین حکومت
کا بار اُٹھائے ہوئے ہیں۔
جن کی سخاوت اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں
کا پیٹ کاٹ کر مالیہ ادا کرتے ہیں۔
اور جو اپنے کندھوں پر برطانیہ کی عظمت کا بوجھ
اُٹھائے ہیں۔

ان کے نام پر یہ کتاب
معنون
کی جاتی ہے

'بیلوں کے تھوتھنے نہ باندھو جب وہ تمہاری دائیں کر رہے ہوں'

کمال رسّا

ہدیہ

میں اپنے ترجمے کے اس ناچیز کوشش کا

ہدیہ

اپنے محب محترم اور ہم نام برادر گرامی

"جناب آغا صاحب" سید محمد حسین صاحب

کی خدمت گرامی میں

پیش کرتا ہوں۔

مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذارشات

بُرا یا بھلا آخر یہ ترجمہ بھی مرتب ہوگیا اور اس کام میں میری صلاحیت سے زیادہ شوق نے میری رہبری کی ہے پھر بھی مجھ کو اس کا افسوس ہے کہ اس کے ترجمہ کی طرف لایق اہل قلم کیوں نہ متوجہ ہوئے۔

میری زندگی کے مشاغل تصنیف و تالیف سے مختلف ہیں ایسی صورت میں ترجمہ قدرتاً بہت سست ہوا اور یہ مجرمانہ جرأت اپنی زندگی میں میں نے پہلی بار کی ہے۔ شاید یہ ترجمہ شائع ہی نہ ہوتا اگر عزیزی مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندوی جنہوں ترجمہ کا مسودہ دیکھنے کے لئے لیا تھا، بلا استفسار میرے مسودہ کو پریس میں کتابت کے لئے نہ دیدیتے۔ پس میری اس جرأت کی ذمہ داری خالصتہً مجھ ہی پر نہیں بلکہ ایک بڑی حد تک عزیز محترم پر بھی ہے۔

مصنف نے اپنی عنایت سے مجھے اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کی اجازت دی ہے اور مجھے اس امر سے بھی مطلع کیا ہے کہ کتاب کے ہندی گجراتی تیلنگو ترجمے ہو چکے ہیں اور اسپرنٹو SPERANTO میں بھی اس کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ناظرین پر یہ امر بہرحال واضح ہو جائے گا کہ ہندوستان کے افلاس کا صحیح علاج کن صورتوں سے ہو سکتا ہے اور کم از کم "محض قانون سازی" سے تو یہ مصیبت کسی طرح بھی دور نہیں ہو سکتی ہے۔ چند اشخاص کے تونگر ہو جانے سے ملک کسی طرح خوشحال نہیں کہلا سکتا بلکہ اصلی خوشحالی اس میں مضمر ہے جب ملک کا غریب ترین انسان بھی دو وقت پیٹ بھر کر روزانہ کھا لیا کرے۔

میری محنت ٹھکانے لگ جائے گی اگر اردو خواں اصحاب میرے ترجمہ کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں اور اوس اصلی اور حقیقی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں جس کے حصول کے بعد ملک کے سارے اقتصادی مشکلات کا حل ہو جانا قطعی اور یقینی ہے۔

ان معروضات کے بعد یہ ترجمہ پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اس کی عبارت اس کی مقتضی ہے کہ کتاب بہت توجہ اور غور کے ساتھ پڑھی جاوے۔ مصنف نے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اس کے مختصر جملوں میں جہاں معنی پنہاں ہیں ترجمہ میں مصنف کے خیالات کو ادا کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ناظرین ہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں کہانتک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

بہرحال اہل ذوق کا ہر مشورہ ممنونیت کے ساتھ قبول کیا جائیگا اور اگر اس رسالہ کو طبع ثانی کی قسمت نصیب ہوئی تو اُن کے مشوروں پر بھی عمل کیا جائیگا۔

تتمہ متعلق وصولی سود۔ اور اینڈکس۔ اس ترجمہ میں حذف کر دیا ہے اور جہانتک ہو سکا ہے کتابت کی غلطیاں درست کر دی گئیں ہیں۔ اور ایک اغلاط نامہ بھی لگا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی رموز اوقات کے اکثر و بیشتر نہیں رہنے کے سبب پڑھنے میں مغالطہ ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس قسم کی فروگزاشتوں پر بطور خود توجہ فرما کر تصحیح فرمالیں گے۔

محمد حسین

ڈاکخانہ نرہٹ۔ ضلع گیا۔ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۳۲ء

اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۷	اگر غربا	غربا
۲	۱۷	EXPLOOTER.	EXPLOITER.
۳	۱	مباحثے	مباحث
۵	۱	جن کے	جبکہ
۶	۱۴	توانگر	تونگر
۱۱	۱۱	بہترین	بہترین طرح پر
۱۲	۲	اصول	اصولوں
۲۶	۵	صرف	×
۲۸	۲	چھوٹی موٹی	چھوٹی ہوئی
۳۳	۷	جرأت	جرأت کریں گے
۴۶	۵	سنہ ۱۱-۱۹ء	سنہ ۱۹۱۱ء
۴۷	۱۵	دیسی	پردیسی
۵۱	۱۲	دوآنہ دوپائی	۶ پائی
۶۱	۶	گیا	×
۶۹	۱۴	وہاں	لندن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۶	۱	نے	×
۸۳	۱۱	لے لینے	لے لینے کا
۹۶	۱۳	خاص	خاص اور
۱۰۹	۳	اور اصل	دراصل
۱۱۶	۷	حصہ دار ہوتا	حصہ دار ہونا
۱۱۹	۱۴	بہتری	بھرتی
۱۲۱	۲	سنہ ۶۴-۱۸۶۳ء	سنہ ۱۸۶۳-۶۴ء
۱۲۱	۳	ہوگئیں	ہوگئی
۱۲۲	۹	نہیں	×
۱۳۰	۲	انگلستان کی	انگریزی
۱۳۳	۲	میں	×
۱۳۳	۹	اسی	×
۱۴۷	۷	خرچ	×
۱۴۸	۵	پر	کے
۱۵۰	۴	میں	×
۱۵۱	۱۴	کمیٹی	کمپنی
۱۶۰	۴	نوآبادیات	نوآبادی
۱۶۲	۴	کی	×

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

بعض لوگوں کا خیال ہوگا کہ قارئین اس مضمون کے مطالعہ میں اون حدود کو قائم نہیں رکھیں گے جو مضمون اور عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسے نتائج اخذ کیے جائیں گے جو مصنف کے منشا سے باہر ہے۔

بنا بریں میں شروع ہی میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا مقصد نہ محض افلاس ہند کے اسباب کی تفصیلی تحقیقات ہے اور نہ یہ ہے کہ اوس کے برے نتائج کی ذمہ داری کسی کے سر ڈال دوں بلکہ میں نے صرف اس قدر واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مالیات عامہ کو بے عقلی سے صرف کرنیکا کس قدر افسوسناک نتیجہ ہو سکتا ہے تاکہ اس تنقید سے بہتر نتائج مرتب ہو سکیں میں نے اس لئے ان تمام اسباب سے جو ہندوستان کی فلاکت کے سبب ہو گئے سروکار نہیں رکھا ہے۔ وہ حالات و اسباب جن نے ملک کی یہ حالت کر دی ہے ہر چند کہ بہت ہی سبق آموز اور دلچسپ ہیں۔ مگر اس مختصر کتاب میں اُن مضامین کا آنا مشکل ہے۔ اور اسی وجہ سے مالیات ہند کے محدود دائرے سے باہر میں نے اپنی کتاب کے مضامین کو نہیں جانے دیا ہے اس کتاب میں زمانہ ماضی کے حالات پر بحث نہیں کی جائیگی مگر ان تاریخی حالات

پر بحث اور تبصرہ کے لئے ایسے قدیم حوالوں کا استعمال کرنا یقینی و ضروری ہو گیا ہے جو بظاہر بہت فرسودہ معلوم ہوتے ہیں مگر ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا ہے کیونکہ اسی کتاب میں اس قدیم سیاسی پولیسی پر تبصرہ اور بحث ہے جس نے ہندوستان کی اقتصادیات پر ایسا دیرپا اثر ڈالدیا ہے کہ اس کے اثرات اس وقت تک کارفرما ہیں۔

میں نے اپنے فیصلوں کو بجائے بحث و استدلال پر قائم رکھنے کے جیسا کہ ہمارے وزیر مالیات کیا کرتے ہیں، نتائج پر محمول رکھا ہے۔ اسی باعث میں نے بجائے موجودہ سیاسیات پر بحث کرنے کے گذشتہ سیاسی فیصلوں اور ان کے نتائج پر تبصرہ کیا ہے۔ مثلاً میں نے روئی کی چنگی کا ذکر کیا ہے جو ہمارے پارچہ بافی کی صنعت کیلئے بیحد نقصان رساں ہو گئی۔ میرے سامنے طریقہ کار کی بہتری اور خرابی کا معیار وہ نتائج ہیں جو ان طریقوں پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں جب اشد ضروریات سامنے ہوں تو اسوقت ان غیر چنگیوں پر مالیات کا صرف جو خواہ کسی قدر مفید اور کارآمد کیوں نہوں، مگر اسکی اس قدر شدت کی مانگ موجود نہو، روپیہ کو غلط طریقہ پر صرف کرنیکا مرادف ہوگا جب لوگ بھوک مر رہے ہوں اس وقت غذا، اور اس کے حاصل کرنے کے وسائل کی طرف توجہ کرنا، تعلیم پر روپیہ صرف کرنے سے زیادہ ضروری ہے، اور اس وقت ریلوی، اور اچھی سڑکوں پر روپیہ خرچ کرنا محض بے سود ہے ریلوے بنانے سے پہلے یہ سوچنا ضروری تھا کہ خرچ کا اندازہ کیا ہوگا، کس کام آئیگا اور باشندگان ملک کا کونسا حصہ مستفید ہوگا اگر غربا کے فوائد کو چھوڑ کر یہ سارے انتظامات اگر غیر ملکی سرمایہ داروں و تحصیلین (Exploiter) کے لئے کئے گئے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس پر کسی طرح کا بجا فخر کیا جائے یہ ہندوستانی نظام حکومت پر ایک بدنما داغ ہے۔

بہر حال یہ مباحث بھی جن پر میں نے قلم اٹھایا ہے بے حد وسیع ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ان کو جمع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس رسالہ میں محض چند اصولی مباحث پر ہلکی روشنی ڈالی گئی ہے جو تحقیقات کے لئے مفید و سہل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اصول یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اپنے فیصلوں کی تائید میں مسلمہ مصنفین کے حوالے دئے جائیں۔

اس کتاب میں ۱۹۲۶ء و ۱۹۲۷ء کے اعداد و شمار سے کام لیا گیا ہے اور کتاب کو مفید نقشوں سے زیادہ دلچسپ بنا دیا گیا ہے جو تمتوں کی صورت میں کتاب کے آخر میں موجود ہیں۔

یہ کتاب میں نے اس وقت تیار کر لیا تھا جب پروفیسر ای۔ آر۔ اے سلگمین کی شاگردی میں کولمبیا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اور ہندوستان آنے پر ینگ انڈیا کے صفحات میں ساری کتاب مختلف ٹکڑوں میں ۱۹۲۹ء اور جنوری ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ لوگوں کے مطالبہ پر کتابی صورت میں بھی یہ رسالہ شائقین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

جے۔ سی۔ کماں رپا

" " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اوّل

مالیات عامہ قومی فلاح و بہبود میں جس قدر ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں حکومت کا کوئی دوسرا شعبہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا یہی ایک قوم کی طاقت کا بہترین سبب ہو سکتا ہے۔ جب اس کا انتظام کسی وطن پرور شخص کے ہاتھ میں ہو اور پھر اگر اسی محکمہ کو غلط طریقہ پر چلایا جائے تو قوم کی تباہی کا بھی موجب ہو جائیگا۔ مثل دیگر طاقتور حربوں کے اس علم کا استعمال بھی فائدہ اور نقصان کے پیدا کر دینے کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے اس محکمہ کا انتظام آزمودہ دوستوں ہی کے ہاتھ میں رہنا چاہئے۔

حکومت اسی محکمہ کی مدد سے ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی کو نشوونما

دیتی ہے۔ جن کے مالکان شخصی اپنی کوتاہ نظری کے باعث اُن قدرتی ذرائع کو جلد تباہ اور خالی کر دیتے ہیں۔ حکومت کا یہ دستور ہے کہ حالات کی جانچ وسعت نظری سے کیا کرے کیونکہ وہ طویل انتظار کو برداشت کر سکتی ہے۔ حالانکہ افراد اپنی محدود زندگیوں کے باعث دولت کے حصول کی خواہش میں، ان نقصانات کو نظر انداز کر دیسکتے ہیں جو ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی کے نقصان کے باعث آئندہ نسلوں کو پہنچ سکتا ہے۔ زراعت کے بڑھاتے، سڑکیں نکالنے اور تیل کے چشموں سے جلد از جلد تیل حاصل کرنے کے لئے حکومت امریکہ کا ساگوان کے جنگل کو جلا دینا، اس نقصان کی ایک نمایاں مثال ہے جو ایک قوم ہی کو نہیں بلکہ دنیا کو پہنچ سکتا ہے کیونکہ ساری دنیا ایک اقتصادی شیرازہ بندی میں متحد ہو گئی ہے اور ایک خطہ ارض کا نقصان، سارے دنیا کا نقصان متصور ہوتا ہے۔ پس فن مالیات حاضرہ اُن لوگوں پر شدید ذمہ داری عاید کرتا ہے، جن کے افعال اس قدر وسیع الاثر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

اُس حالت تغیر اور انقلاب میں، جب قوم ایک دور سے دوسرے دور

میں پہنچ رہی ہو، یعنی جب ایک زرعی قوم صنعتی ہو رہی ہو اور دستکاری کی جگہ ملیں لے رہی ہوں، تو ایک کامیاب حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اقتصادی کوششوں کو ایسے صحیح راستوں پر لگائے کہ قومی پیداوار کو نقصان نہ پہنچ جائے، بلکہ اُس کے پیداوار کی طاقت کو اور بڑھائے اور اس تغیر و تبدل کے دوران میں کوئی اقتصادی زیان نہ ہو یہ اسی صورت میں کامیاب بنایا سکتا ہے کہ حکومت مختلف صنعتی و تجارتی تجربوں پر روپیہ صرف کرے اور اُن کے کامیاب نتائج سے ملک کو روشناس کرے یا پھر بیرونی تجارت پر ایسی ہوشیاری کے ساتھ محصول لگائے جو کمزور دیسی صنعتوں کی حفاظت اور ترقی کا موجب ہو اور مضبوط اور منظم تجارت خارجہ کا مقابلہ کر سکے۔ اور ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ حکومتی امداد کے ذریعہ سے کمزور صنعتوں کو انکے ابتدائی دور میں بچا لیا جائے تاکہ طاقتور ہو کر مقابلہ کے لائق ہو سکیں۔ ایسی ہی بہتر رہبری نگہبانی اور امداد سے لوگوں کے لئے حصول دولت کے مختلف متوازی راستے نکل آئیں گے۔ قومی فلاح نہ محض چند کے توانگر ہونیکا نام ہے نہ اسکا نام ہے کہ ہر شخص پر حصول دولت کی ایک قسم کی لامحدود راہ کھولدی جائے

کیونکہ اگلی صورت میں دولت کی غیر متوازی تقسیم بے چینی اور عدم اطمینانی کا باعث ہوگی اور پچھلی صورت ساری قوم کے لئے تباہی کا موجب ہوسکتی ہے جس طرح کاشتکاروں کے لئے امساک باراں کی مصیبت۔ وہ قوم، جس کے حصول دولت کا انحصار صرف ایک ہی پگڈنڈی پر ہو، زیست کی کشمکش میں بہت جلد اپنے آپ کو مشکلات میں مبتلا پائیگی۔ پیداوار متناسب آبادی کے مقابلہ میں پیچھے رہجائے گی اگر خصوصیت کے ساتھ پیداوار کے اور ذرائع نہ کھول دئے جائیں۔ ایک دردمند اور حساس حکومت، وقت کے امکانات پر دھیان رکھتے ہوئے اقتصادی ترقی کو بڑھائے گی۔ زوال کے امکانات کو روک دیگی۔ صنعت و تجارت کا ایک فنی ملاپ، عوام کی فارغ البالی کا سبب ہوجائیگی۔ اطمنان اور مسرت کی فضا پیدا ہوگی، غریب و امیر بڑے اور چھوٹے سب میں خوشحالی نظر آنے لگے گی جون رسکن کا یہ خیال حقیقت پر مبنی ہے کہ "زندگی دولت ہے" اور ج اے۔ ہوبسن اندازہ تونگری کے لئے پیمانہ زر کے بجائے انسانی خوشحالی کے ایک درجہ کو پیمانہ بنانا پسند کرتا ہے "کسی حکومت کی منفعت بخش پولیسی کی جانچ اسی سے ہوسکتی ہے کہ بلا کسی روک کے افراد قوم نے اپنے جوش عمل

ئے عمل وخیال کے قومی خزانہ میں کیا سرمایہ جمع کیا لوگوں کی استعداد
پیداوار کو بڑھانے کے بعد ہی بقول سکھر ایک بادشاہ مالیہ وصول کرنیکا
حق رکھتا ہے، جس طرح ایک مالی اُسی وقت پھل جمع کرتا ہے جب
اچھی طرح درختوں کی پرورش و پرداخت کرلی ہو۔ پھر لگان عائد کرنا چاہیئے
کہ رعایا کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ جیسے کوٹلیا کے تشبیہ میں یوں کہا جاسکتا
ہے کہ لگان اور محصولات کی مثال پھل کی ہے جسے پک جانے پر ہی
بلا کسی نقصان کے درخت سے توڑا جاسکتا ہے۔ اجراء محصولات کا
ایک دانشمندانہ اصول، مالیہ پیدا کرنے کے باوجود بھی لوگوں میں کسب معاش
کی طاقت کو خراب نہیں کرتا۔ حکومت کے قیام و دوام کو نقصان پہنچائے
بغیر محصولات رعایا کی بچت سے وصول ہونا چاہیئے۔ ایک ہندی مثل
کے بموجب سلطنت کو کوئلا بیچنے والے کے مانند نہ ہونا چاہیئے۔ جو
درختوں کو کاٹتا، جلاتا، اور اس فطری ذریعہ آمدنی کے تباہی سے
اپنا منافع حاصل کرتا ہے۔ بلکہ اُسے باغبان کے مانند ہونا چاہیئے جو
پھول اگر نہ چنے تو وہ سب مرجھا کر ضائع ہوجائیں ہیں وہ پھول چن لیتا
ہے اور پودوں میں پھر کلیاں نکل پڑتی ہیں۔ محصولات کے مواقع کو خوب

جانچ لینا چاہیے۔ اور لوگوں کی استعداد کی مناسبت ہی سے بوجھ ڈالنا چاہیے وہ جن کی آمدنی گزران اوقات کی حد سے زیادہ نہیں ان کو محصولات کی زد سے آزاد رکھنا اور ان کا بار مرفہ الحال لوگوں پر ڈالنا مصلحت و انصاف کے مطابق ہے۔

اشیا پر محصولات بالواسطہ قائم کرنے میں ہوشمندانہ اور تجربہ کارانہ انتخاب سے کام لینا چاہیے تاکہ دیسی مصنوعات کو فروغ ہو اور ضروریات زندگی گراں ہو کر غربا کی مصیبت کا باعث نہ ہو جائیں۔ لگان بالواسطہ مالیہ کے حصول کا ایک کارآمد ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے حکومت کو مالیہ اس طرح وصول ہوتا ہے کہ دینے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ان مدھ مکھیوں سی ہے جو پھول کو بغیر کسی طرح کا نقصان پہنچائے ہوئے رس چوس لیا کرتی ہیں پس اس طرز محصول کے عائد کرنے میں ان لوگوں کو حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

مالیہ کے وصول ہونے سے رعایا کی استعداد پیداوار میں ترقی ہونی چاہیے۔ محصولات صاحب حیثیت سے وصول ہو کر اس طرح غربا اور اصحاب حاجت پر صرف ہونا چاہیے جس طرح سمندر سے ابخرے اٹھتے

ہیں اور بادل بن کر زمین پر برستے ہیں۔ غربا کی تعلیم، ان کی معاشی ضروریات
کی کاربرآری ہونی چاہیئے۔ شخصی زندگی میں بھی روپیہ کا صرف غایت سمجھ
اور احتیاط سے ہونا چاہیئے لیکن محکمہ مالیات کا نظم بیحد مشکل اور پیچیدہ
مسئلہ ہے۔ ایک غریب جو اپنی بسر اوقات سے زیادہ حاصل نہیں کرتا،
ایک روپیہ محصول لیکر اُسے اُن پر صرف کرنا جو نسبتاً خوشحال ہوں ایک کھلی
ہوئی غلطی ہے کیونکہ وہ قلیل رقم اس کے لیئے ایک کارآمد سہارا ہے اور
اس طریقہ سے تو سارے قومی سرمایہ کے ضائع ہوجانیکا خطرہ ہے ٹیکس
ادا کرنے والوں کی صلاحیت۔ اور استفادہ حاصل کرنیوالی جماعت کی
ضروریات کا موازنہ ہر وقت ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔
ملک کی اقتصادی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے انتظامات ملکی پر اسی قدر
صرف کرنا چاہیئے جس قدر کہ قوم کی برداشت کے لائق ہو۔ ایک درمیانی حیثیت
کے آدمی کے لیئے جس کی آمدنی چھ ہزار سالانہ سے زیادہ کی نہ ہو، ایک فورڈ
موٹر کار رکھنا موزوں ہوسکتا ہے مگر اسی شخص کا رولس رایس (Rolls
Royce) رکھنا محض جنون میں شمار ہوگا۔ موثر حکومت کا درجہ
جو درکار ہے ایک اضافی خیال ہے نہ کہ جامد ہر چیز میں خواہ وہ نظم

سلطنت ہی کیوں نہ ہو ایک احساس تناسب ہونا چاہیئے ایک گراں صرف حکومت کے برقرار رکھنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ وہ منظم و مؤثر ہے ملکی مرفہ الحالی، ایک اچھی اور مؤثر حکومت کی اصلی کسوٹی ہے۔ نہ یہ کہ عمال حکومت کس طرح گھڑی کی سوئی کی طرح، اپنے فرائض انجام دیا کرتے ہیں۔ ملکی انتظامات کو اس طرح چلانا چاہیئے جس سے قوم کے قوائے عملی اور دماغی کو پوری طرح ترقی کرنیکا موقع ملے۔ وہ انتظامات حکومت قطعی ناکام سمجھا جائیگا جو لوگوں کو مرفہ الحالی کی طرف نہ لیجائے خواہ عمال حکومت اپنے نظام اوقات کی پابندی میں کیسے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ اس امر کی جانچ کہ قوم کو اخراجات حکومت کے برداشت کی صلاحیت کہاں تک ہے۔ اس طریقہ سے بہترین ہوسکتی ہے کہ مشاہرہ ملازمین، کا موازنہ قوم کے اوسط آمدنی سے کیا جائے۔ یہ طرز موازنہ عوام وحکام کے اقتصادی توازن کو عیاں کردیگا اور پھر دوسرے ملکوں سے اشیاء کے نرخ، صلاحیت عمل اور دیگر اقتصادی حالات کی جانچ کی ضرورت نہ ہوگی۔

ایک تونگر اور مرفہ الحال قوم کے بنانے میں جو اقتصادی اصول پیش نظر رہنے چاہئیں ان کو بیان کرنے کے بعد انہی اصول کی روشنی میں ہندوستان کے حالات کا سرسری مطالعہ کرنا چاہئے اور اس امر کو ذرا گہرائی سے جاننے کے لئے کہ سیاست اور مالیت عامہ نے ہندوستان کی کیا حالت کردی ہے - اس کی ضرورت ہوگئی ہے کہ موجودہ برطانوی دور سے پہلے کی اقتصادی حالات کا اندازہ کیا جائے -

فصل دوم

انیسویں صدی میں ہندوستان کی اقتصادی حالت

ہر چند کہ صدیوں تک ہندوستان کی تاریخ بدحالی و خوشحالی، امن و جنگ، اطمینان و مصیبت، انصاف و ظلم کا نقشہ پیش کرتی رہی مگر من حیث مجموع دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اس نے امن اور دولت مندی کا حیرت انگیز نقشہ پیش کیا۔ قرون وسطی میں ہندوستان دنیا کا اقتصادی مرکز عمل تھا۔ انکشاف امریکہ ان کوششوں کا نتیجہ تھا جو غیر ترقی یافتہ مغربی قومیں ہندوستان کیساتھ براہ راست تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے کر رہی تھیں۔ اس زمانہ کے نظریہ کے مطابق ہندوستان اعلیٰ پیمانہ کا تجارتی ملک تھا۔ چھوٹی چھوٹی قیمتی مصنوعات جو دستکاری کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھیں، ان کا تبادلہ دوسرے ملکوں سے سونے کے عوض میں ہوا کرتا تھا۔ اشیا کی نکاسی میں، چونکہ حفاظت اور حمل و نقل ایک مشکل مسئلہ تھا۔ اس لئے کثیر المقدار کم قیمت اشیاء کی تجارت منافع بخش

نہ تھی مگر نفیس اور قیمتی اشیا کی نکاسی اس قدر تھی کہ روم بھی اپنے دور اقبال میں ملک سے سونے کے نکل جانے پر شکوہ کناں رہتا تھا باوجود قطعی مخالف شواہد کے[1] اس خیال کا تاہنوز قائم رہنا کہ ہندوستان میں سونے کی لاانتہا کھپت ہے۔ اس قدیم غیر ملکی تجارت کے فروغ کی بنا پر ہے جو اُسے زمانہ قدیم میں حاصل تھا۔ ہندوستانی مصنوعات کی برآمد نے ساری دنیا کا سونا سمیٹ لیا تھا ملکی خام اجناس سے ملک ہی میں مصنوعات تیار ہو جاتی تھیں اور ہندوستان کے جہازراں ایک طرف تو براہ خلیج ایران و عرب، یورپ کو اور دوسری طرف چین و جاپان کو اپنی مصنوعات لیجایا کرتے تھے۔ اس طرح ملک میں صنعت و حرفت کا اس قدر چلن تھا کہ بحر و بر اور شہر و دیار کے لوگوں کے لئے کام اور مصروفیت کی کوئی کمی نہ تھی اور قومی ذہانت اور قوت عمل کے فروغ کے لئے ہندوستان اندرونی و بیرونی کاموں کا ایک مناسب و خوشگوار اجتماع ہر وقت فراہم رکھتا تھا۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کالی کٹ اور مشرقی ساحل

1. Radha kumud Mookerji's A History of India Shipping. P. 4.

مچھلی پٹم میں روئی کی پیداوار سے خوبصورت ململ تیار ہوتا تھا۔ اٹھارویں صدی میں ململ کی برآمد انگلستان میں اس قدر ہو گئی تھی کہ انگلستان کی صنعت پارچہ بافی کو قطعی تباہی سے بچانے کے لئے بھاری محصولات قائم کر دیئے گئے۔[1] ہاتھی دانت، اور پتھر کی حسین مصنوعات کی ہر جگہ بڑی مانگ تھی۔ اور ہند کا نام ان مخصوص صنعتوں میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ریشمی کپڑے زر دوزی اور قالین امراء کے ذوق سلیم کو پورا کرتے تھے۔ ملکی جہازرانی کے سبب، ملک ہی میں جہاز تیار ہوتے تھے ایک انگریز مقیم بالاسور کے خط مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۶۷۰ء کے حوالے سے جو اس نے ڈائریکٹران کمپنی لندن کو لکھا تھا مسٹر مکرجی لکھتا ہے[2] کہ "بہت سے انگریز جہازراں تاجروں کے جہاز و بادبان ہر سال یہاں تیار ہوتے ہیں۔ پرانے اور بہترین قسم کے ساگوان یہاں بکثرت موجود ہیں اور بہترین لوہا بھی بہ افراط دستیاب ہوتا ہے اور ہر قسم کی کاریگری کے کام مثلاً بولٹ، میخ، کیل، لنگر وغیرہ یہاں کے لوہار نہایت ہوشیاری

1. Balkrishna's Commercial Relation between England and India chp X
2. W.m. Digby's Prosperous British India P 90
3. Radha Kumud Mookerji's A History of Indian Shipping P. 233.

سے انجام دیتے ہیں۔ مضبوط جہاز تیار کرنے میں اور صحت و درستگی کیساتھ جہازوں کو پانی میں اُتار دینے میں یہاں کے کاریگر ہر ہوشیار کاریگر سے مقابلہ کر سکتے ہیں"[1] ۱۸۰۲ء کے بعد زمانہ میں بھی ہندوستان سے جنگی اور تجارتی جہاز بنکر انگلستان جایا کرتے تھے اور کبھی انگلستان[2] والے یہاں کے مشاق کاریگروں سے نقشہ بنوالیا کرتے تھے۔

عہد قدیم کی وہ خوبصورت عمارتیں، نہر و کنویں، تالاب اور سڑکیں جو اب تک موجود ہیں۔ زمانہ گزشتہ کی خوشحالی کا روشن اور نمایاں ثبوت پیش کر رہی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ملک کے محدود حصوں میں کبھی کبھی قحط کی تباہکاریاں پھیل جایا کرتی تھیں مگر سارا ملک بیک وقت کبھی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا۔ اس زمانے کے قحط کا سبب استعداد خریداری کی خرابی نہ تھی بلکہ غلہ کی کمیابی جو بوجہ امساک باراں قطعات ملک میں پیداوار نہ ہونیکے سبب ہو جایا کرتا تھا۔ پس بجائے اقتصادی سد کے یہ مصیبت

1. Radha Kumud Mookerji's A History of India Shipping P. 249
2. Ibid 250.

محض اتفاقات ناگہانی پر مبنی تھی۔ راستوں اور باربرداری کی دقتوں کے باعث قحط زدہ علاقوں میں رسد اور امداد پہنچانیکا کام تقریباً مشکل ہوا کرتا تھا۔

وقتاً فوقتاً کوئی غیر ملکی طاقت جس نے ہندوستان کی دولت پر حریفانہ نظریں ڈالیں ملک پر چڑھ دوڑیں۔ مندروں اور ایوانوں کے اندوختوں کو لوٹ کر روانہ ہوگئیں کچھ اور اُن کی لوٹیری اور غارتگر نوجوں کی نذر ہوجانا قدرتی تھا مگر من حیث مجموع کاشتکار اور صناع اپنے کاروبار کے لئے آزاد تھے اور بہرصورت یہ بیرونی حملے لوگوں کی دولت کمانے کی استعداد اور صلاحیت کو ضائع نہ کرتے تھے۔ عارضی ہنگاموں کے دفع ہوجانے کے بعد لوگ پھر اپنی کمائی میں لگجاتے تھے حقیقت یہ ہے کہ اگر زر کے انبار کے بجائے، قوم کی استعداد پیداواری کا نام "دولت" رکھا جائے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان بیرونی حملوں نے ہندوستان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا۔

زراعت ایک پاک پیشہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور شاہزادے اپنی

نبرد آزمائیوں میں ہری بھری کھیتیوں کو نقصان سے بچاتے تھے۔ پس اس امر کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ ۱۷۳۹ء کے عظیم الشان نادر شاہی حملے کیونکر ہندوستان کی اقتصادی شیرازہ بندی کو تباہ نہ کر سکے اور اس حملے کا محض ایک عارضی اور سطحی اثر ہو کر رہ گیا۔ یہ بات امکانی اور لائق یقین ہو سکتی ہے کہ قوم کو بغیر شدید نقصان پہنچائے امریکہ سے فورڈ اور روکفلر کی دولت معدوم ہو جائے مگر حقیقت میں وہ عبرتناک اور اندوہناک سماں ہوگا جب کاشتکار سے زراعت کے مواقع اور مزدور سے کام کے وسائل چھین لئے جائیں "جس نے میری تھیلی چرایا، اس نے ایک بے حقیقت چیز لیا" ایک انگریزی مثل ہے۔ اور ذرائع آمدنی کے محفوظ رہنے پر ایک انسان کا اگر روپیہ چوری ہو جائے تو اسے نسبتاً کم نقصان ہوگا حالانکہ اگر ایک ہوشیار کاریگر کی آنکھ نکال لی جائے ہاتھ کاٹ لیا جائے تو اس کی حالت جس قدر افسوسناک ہو جائیگی ظاہر ہے۔ ہندوستان کی بیرونی حملوں اور ظالمانہ حکومتوں نے لوگوں کو کچھ تکلیف ضرور پہنچایا مگر ان عارضی مصیبتوں کے دفع ہوتے ہی شاہراہ ترقی سامنے آجاتی تھی۔

محصولات ملکی خواہ جس صورت سے بھی وصول ہوتے ہوں ملک ہی میں خرچ ہو جاتے تھے۔ امرا اور سلاطین کا اسراف صنعت و حرفت کے فروغ کا باعث تھا۔ کیونکہ نفیس اور خوبصورت اشیا کی مانگ بڑھ جایا کرتی تھی۔ مُسرف سلاطین صاحب علم و حرفہ کی قدر افزائی میں مشہور رہتے تھے بنا بریں قوم اپنی اجتماعی پیداوار کا فائدہ حاصل کر لیا کرتی تھی۔ اور جو کچھ ملک میں تیار ہوتا تھا۔ اس طرح صرف ہو جاتا تھا۔ کہ ملک کا سرمایہ ملک ہی میں رہ جائے۔ حکومت فرزندان وطن کے ہاتھوں میں رہنے کے باعث خدام حکومت ملک کے ذہین طبقہ سے لئے جاتے تھے اور پھر اسی طرح ہزاروں کے روزگار کا بند وبست ہو جاتا تھا۔

بستیوں پر لگان ایسی پنچائتوں کے زیر نگرانی لگایا جاتا تھا جو اپنی بستی اور بستی والوں کے حالات سے شخصی طرح پر آگاہ ہوتے تھے ہر چند کہ لگان دیکھنے میں زیادہ معلوم ہوتا تھا مگر اس کی وصولی میں رحم و انصاف کا انسانی عنصر زیادہ تر کام کرتا تھا اور تھوڑی رد و قدح کے بعد اکثر کچھ لگان معاف کر دیا جاتا تھا۔ ادائیگی میں بھی یہ آزادی تھی کہ خواہ جنس ہی میں ادا کیا جائے خواہ نقدی میں اور یہ آسانی اقتصادی مشکلات کے بچنے کا اکثر راستہ پیدا

کردیتی تھی۔ قحط یا دیگر اتفاقی حوادث سے بچنے کے لیے کاشتکار اور دیگر لوگ غلہ کی ایک مقدار[1] محفوظ رکھتے تھے اور ایسا کبھی نہ ہوتا تھا کہ کچھ "مد محفوظ" رکھے ہوئے ملک سے سارے کا سارا غلہ باہر چلا جائے۔

ہر بستی میں ایسے مدارس[2] ہوتے تھے جن کے لیے زمینیں وقف ہوتی تھیں۔ بستی کے ضروریات اور احتیاج پر تقسیم عمل کے اصول پر لوگوں[3] کی نظر اس طرح رہتی تھی جس سے ایک مختصر جمہوری نظام حکومت کا نقش قائم رہا کرتا تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان کی یعنی اس کے شمال و جنوب مغرب و مشرق کی جو حالت تھی اسکا حال مغربی سیاحوں کے حوالوں سے درج ذیل کیا جاتا ہے جس سے ہمارے گزشتہ دور اقبال اور مرفہ الحالی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جائے گا۔

بیشوپ ہیبر[4] اپنے اخبار میں بھرت پور کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "کہ اس ملک کی سرزمین اپنی آبادی اور سیرابی کے لحاظ سے

1. A Loveday's History and Economics of India Famines P. 21. 2. J. Matthais Village Govern-ment in British India. Chap II
3. J. Matthais Do P. 15.
4. Bishop Heber's Journal Vo II P. 17.

ہندوستان کی بہترین زمینوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ غلہ کی حسین کھیتیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں خصوصاً باجرے کی کاشت تو اس قدر خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ میں نے متعدد چینی کے کارخانے دیکھے اور بہت سی ایسی زمینیں دیکھیں جن سے اوکھ فوراً کاٹی گئی تھیں یہ تمامی حالتیں ملک کی خوشحالی کا پتہ دیتی تھیں آبادی زیادہ نہ تھی مگر لوگ بام ترقی پر جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اور خوشحالی ہر طرف نظر آتی تھی۔

کمپنی (ایسٹ انڈیا) کی حکومت کے مقابلہ میں ساری آبادی صنعت اور زراعت کا ایسا خوشنما منظر پیش کرتی کہ مجھکو یہ گمان ہوتا تھا کہ آیا بھرت پور کا راجہ بہت ہی ہمدرد اور لایق تقلید حکمراں ہے یا پھر انگریزی طریقہ حکومت دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں ملکی فلاح اور بہبود کے لحاظ سے نامحمود، ناقص اور نامکمل ہے" یہ حال تو شمالی حصہ ہند کا ہوا۔ اب جنوبی حصہ کا حال سنئے۔ لفٹنٹ کرنل مور سلطان ٹیپو کی حکومت کا حال ان الفاظ میں تحریر کرتا ہے کہ "جب[1] ایک شخص

1. From Moor's Narrative of the war with Tipu Sultan P. 201 from the Reform Pamphlet by Lajpat Rai

اجنبی ملک سے گزرتا ہوا دیکھے کہ زمین آباد ہے۔ آبادی فروغ پر ہے شہر آباد ہو رہے ہیں تجارت اور صنعت وحرفت ترقی پر ہے اور ہر چیز میں زندگی اور ابھار نمایاں ہے تو قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچنا چاہیئے کہ حکومت ملک کے مناسب حال ہے بس یہی نقشہ سلطان ٹیپو کے حکومت کا سمجھنا چاہیئے۔ اس کی حکومت میں رعایا کو جو آرام وخوشحالی نصیب تھی وہ مقابلتاً کسی دوسرے سلطنت سے کم نہ تھی۔ اور نہ کبھی رعایا کو سلطان کے خلاف کوئی شکایت پیدا ہوئی حالانکہ اگر ہوتی تو اس کے دشمن جو بہت تھے اس کی شکایتوں کو سن کر بہت خوش ہوتے اور اسے رائی کا پربت بنا کر سارے عالم میں پھیلا دیتے۔

مشرقی ہند کا حال مسٹر ہوبل کا حقیقت نگار قلم بنگال کی حالت کو بیان کرتے ہوئے یوں تحریر کرتا ہے کہ "لوگوں کے جان ومال محفوظ تھے۔ مسافروں کو حکومت کی نگہبانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ خواہ وہ سامان تجارت کے ساتھ ہوں یا نہیں۔ اور اس طرح راستوں کی حفاظت کے لئے نگہبان مقرر ہوتے تھے" مزید براں[1] ڈھاکہ کا زرخیز خطہ اور چپہ چپہ آباد تھا۔ حکومت کا انتظام انصاف کے ساتھ

1. Lajpat Rai England's Debt to India P. 25.

کیا جاتا تھا جسونت رائے جس کی تعلیم دیانتداری اور ایمانداری پر راسخ رہنے کے اصول پر ہوئی تھی ملک کا انتظام بہت خوبی سے کر رہا تھا۔ اور اس کے دور میں لوگ امن اور فارغ البالی سے دن گزار رہے تھے اس نے غلہ کی اجارہ داری کو بالکل موقوف کر دیا تھا۔

خطِ مغربی کے متعلق انکوٹل ڈیوپیرن مہاراشٹر کی حالت بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "جب ہم مہاراشٹر میں داخل ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسرت و سادگی کے قدیم عہد زریں میں آگئے ہیں جہاں فطرت نے اپنی سادگی کو نہیں چھوڑا ہے جنگ اور مصیبت ناپید ہے۔ لوگ تندرست محنتی اور خوش خلقی کا دار دورہ ہے۔ دوست پڑوسی اور اجنبی مسافر کی ایک ہی طرح ہر گھر میں تواضع مدارات کی جاتی ہے۔

اُنیسویں صدی کے آخر میں ملک کی مرفہ الحالی کا دلچسپ نقشہ دیکر اب ہمیں موجودہ صدی کے عام اقتصادی حالات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

فصل سُوم

بیسویں صدی میں ہندوستان کی اقتصادی حالت

مناسب ہے کہ اس دور کے حالات کے لیے بھی اہلِ یورپ ہی کی شہادتیں حاصل کی جائیں، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ داستان میکڈونلڈ وزیر اعظم انگلستان جیسی شخصیت کے بیان سے شروع ہو صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "روز ہا روز کوئی اس ملک میں دورہ کرے، سوائے دُبلے ناتواں اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا جنکی زندگی سراپا محنت، محنت!! محنت!!! مشقت! مشقت!! مشقت!!! ہے. ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گئی ہے[1] اور ان غریبوں کی مصیبت اور بھی میرے دل میں گڑ گئی جب میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کے پُر سکون اور پُر عظمت خاموشیوں میں مستور ہیں" پھر وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ "ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کلیہ نہیں بلکہ ایک امرِ واقع ہے"[2]

1. J.R. MacDonald's The Awakening of India P140
2. " " " P159

ڈاکٹر جوزف اولڈ فیلڈ اپنے ایک مضمون میں جو ڈیلی نیوز میں شائع ہوا تھا لکھتا ہے کہ "ہند کا مقامی طرح پر مطالعہ کرنے کے بعد میں ابھی وہاں سے واپس آرہا ہوں، اور میں ان قلبی حسرتوں اور افسوسناک جذبات کے بیان سے قاصر ہوں جو میرے دل میں وہاں کی بستیوں اُن کے باشندوں، عورتوں اور بچوں کی فلاکت زدہ و قابل رحم حالات کے دیکھنے سے پیدا ہوئے، کہ کس طرح آدھا پیٹ کھا کر وہ کشمکش حیات میں مبتلا رہتے ہیں۔ میں نے انگلستان کی غربت بھی دیکھی ہے۔ اور وہاں کے ادنیٰ طبقہ کی خراب حالت کا بھی معائنہ کیا ہے، مگر میری نظروں نے کوئی ایسا منظر نہیں دیکھا ہے جسکی خیالی تصویر مجھ کو اس قدر ستاتی ہو جس قدر کہ ان بہادر اور پایندار محنتی اور کفایت شعار لوگوں کی تصویریں، جو ایک ہفتہ سے دوسرے سے تیسرے، اور اسی طرح لگاتار صبر آزما محنت و مشقت میں مشغول رہتے ہیں اور پھر ان ساری جفاکشیوں کے بدلہ میں اُن کو بس اسقدر مل جاتا ہے کہ جوار یا باجرے کی خشک روٹی اور کچھ تھوڑی سی لسی یا (مٹھا)

1. W.M. Digby's The Ruining of India P.189

ہنرمند، دستکار، اور صناع اپنا کام چھوڑ چکے ہیں، اور کسی دوسری دیسی صنعت نے، ان چھوٹی موٹی صنعتوں کی جگہ نہیں لی ہے۔ یہ ہنرمند، اپنی خفیف ترقی تعداد کے ساتھ اس پر مجبور ہو گئے ہیں، کہ محض کاشتکاری پر اپنا گذارہ کریں۔ سال کے کچھ حصوں میں تو وہ کام کرتے ہیں، مگر بقیہ زمانہ میں بیکار ہو جاتے ہیں۔

آخری صدی عیسوی میں ہندوستان کی ترقی آبادی کا تناسب، یورپ کے بہ نسبت بہت گرا ہوا ہے۔ اسٹیٹس مین ایرکبس Statesman Year Book سے ہر دس سال پر فی صد ترقی کا موازنہ درج کیا جاتا ہے۔

	۱۸۹۱ - ۱۹۰۱	۱۹۰۱ - ۱۹۱۱	۱۹۱۱ - ۱۹۲۱
ہندوستان	۲٫۵	۱٫۷	۱٫۲
انگلستان	۱۲٫۲	۱۱٫۶	۴٫۵

اعداد و شمار بالا سے ظاہر ہے کہ ترقی آبادی کا مسئلہ ہندوستان کے لئے کوئی اقتصادی اور حقیقی مسئلہ نہیں۔ اب رہا تجارت کا سوال تو اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ جو ہندوستان مصنوعات کے برآمد

پر قادر تھا۔ اب خام اجناس کی درآمد اور مصنوعات کی برآمد پر مجبور ہو گیا۔ روئی کی مصنوعات اور گھریلو صنعت ناپید ہو چکی۔ کوئی دوسرے روزگار نے اس کی جگہ نہ لی۔ جہاز رانی اور جہاز بنانے کے واقعات تو اب فسانہ ہو کر رہ گئے ہیں۔

اب یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ملک میں بار بار قحط پڑ رہا ہے۔[1] اور پچھلے پچاس سال قحط کی تباہ کاریاں ایسی ہوئی ہیں جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ تقسیم دولت کے تناسب میں بہت بڑا فرق ہے ملک کا سارا انتظام ان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے جو واپسی ٹکٹ کا خرچ اپنی جیب میں رکھ کر یہاں کے کاموں کا انصرام کرتے ہیں۔ ان کی بے تعلقی ظاہر ہے۔ ان کے مقاصد اور باشندگان ملک کے مقاصد میں کوئی اتحاد موجود نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ لوگ ملک کے سامنے صحیح طرح پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ فرزندان وطن جو کبھی حکمران تھے اب کم مشاہرہ دار محرر سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بہر حال ہمارے بدیسی حکمرانوں کے قدم تو ہندوستان پر جمے ہوتے ہیں مگر ان کے چہرے اپنے وطن مالوف کی طرف

1. A. Loveday's History and Economics of India Famine App A.

پھرے ہوتے ہیں اور ان ہی جذبات کے ساتھ وہ اپنے قیام کی مدت ختم کرکے مراجعت فرمائے وطن ہو جاتے ہیں۔

وہ قدیم قومی تعلیم[1] کا پھیلا ہوا انتظام جسے انگریزوں نے اپنے قبضہ کیوقت پایا تھا۔ دیگر ملکی اداروں کی پامالی کے ساتھ پامال ہو گیا اور تعلیمی جاگیریں حکومت کے محصولات کی نذر ہو گئیں۔

ملک میں ریلوں کا جال تو بے حد سرعت اور کثرت کے ساتھ اسطرح بچھا دیا گیا کہ آج یہ حکومت کا ایک طاقتور اور منظم محکمہ ہے مگر نہر اور ذرائع آب پاشی کے محکمے بے توجہی کے شکار رہے۔

جہانتک بدیسی اشیاء کی تجارت کا تعلق ہے ہندوستان میں "آزادی تجارت" کا اصول جاری رکھا گیا مگر نمک کے ٹیکس، زمین کے ٹیکس، اور دیگر سخت قسم کے محصولات، آمدنی کا ذریعہ بنا کر اُس کو ہمیشہ سلطنت کی آمدنی کو بڑھاتے رہنے کا خیال رکھا گیا۔

اب ہمیں اُن اسباب کی تلاش کرنی چاہیے کہ جس نے ہندوستان کے انیسویں صدی کے درخشندہ حالات کو بیسویں صدی کے

1. john Mali Laio The Village Government in British India P. 42.

تاریک اور اندوہناک حالات میں متبدل کر دیا۔

قوموں کی ترقی اور تنزلی خوش حالی اور بدحالی پر اثر ڈالنے والے اصولوں کی توضیح و تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے کہ :۔

(۱) وہ اسباب جو انسان کے اندر مضمر ہوں

(۲) وہ اسباب جو حالات گردوپیش کے ماتحت ہوں یعنی :۔

(الف) فطری ۔ (ب) مصنوعی

سبب اول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی کاشتکار کی ذہانت، محنت بلکہ نہایت صبر آزما اور جاں گسل حالات میں ان کی طاقت برداشت ہمیشہ لائق تعریف و تحسین رہی ہے۔ ہم انگلستان کے مشہور مزدور لیڈر (مسٹر ریمزے ورزیر اعظم[1]) کی گواہی کے بعد جو یہ فرماتے ہیں کہ "دنیا کے مشہور محنتیوں میں یہاں کے لوگوں کا بھی شمار ہے اور ان کی زمینیں اچھی اور بہت زرخیز ہیں"۔ مذکورہ سبب کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

جب گردوپیش کے حالات کا معائنہ کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بہت ہی کم ملکوں کو وہ فطری دولت و زرخیزی نصیب ہوتی ہے

1. J. R. Macdonald's The Awakening of India P. 169

جس قدر کہ ہندوستان کو حاصل ہے۔ اس کے چھپے ہوئے خزانے شورا، نمک، جستہ، جستہ خام، تانبا، لوہا، کوئلہ، سونا، تیل کراسن وغیرہ سے بھرے پڑے ہیں۔

چائے، کافی، نیل، سن (جسکے لئے وہ ساری دنیا کا اجارہ دار ہے) اور روئی (جو ہندوستان دنیا کے مقابلہ میں تیسرے درجہ پر پیدا کرتا ہے) یہ سب یہاں کی زرخیز زمینوں کی پیداوار ہیں اس ملک کے گیہوں اور اور تیل کی ساری دنیا خریدار ہے۔ اس کے عظیم الشان کوہستانی سلسلے اپنے اندر بجلی پیدا کرنے کی طاقت مستور رکھتے ہیں اس قدر لاتعداد عطیۂ فطری کے رکھنے کے بعد اس کی غربت یقینی اسکے طبعی حالات کے سبب نہیں ہوسکتی۔ لاریب، انسانی، اور طبعی، اسباب بے قصور ثابت ہو چکے اور ہیں۔ اب ہمیں بقیہ وجوہ کا بھی معائنہ کرنا چاہیئے

کہا جا سکتا ہے کہ ملک کی پیداوار کی کمی کا سبب یہ ہے کہ یہاں کا معیار زندگی گرا ہوا ہے اور لوگوں کو زیادہ حاصل کرنیکی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں ڈاکٹر ایچ۔ جے ڈیونپورٹ کا خیال ہے کہ انسان چیزوں کے استعمال سے اس لئے نہیں رکتا کہ

1. H. J. Davenport's Economics of Enterprise P. 2.

کہ اُسے احتیاج باقی نہیں رہتی بلکہ اُس کی رُکاوٹ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ مزید اشیا بغیر زیادہ مشکلات کے حاصل نہیں کرسکتا" ہندوستان میں وہ کون سے اسباب پیدا ہوگئے ہیں جن سے وہ "زیادہ اشیا" کا حصول آسان کام نہیں رہا ہے اپنے مضمون کے محدود ہونے کے باعث ہم ان گرد وپیش کے مصنوعی حالات کو نظر انداز کردیں گے' اور ان امور پر بغیر کوئی خیال ظاہر کئے' صرف ایک اصولی بحث کو پیش کرنے کی جرأت جس کا نام مالیات عامہ ہے ریلوے' اور مبادلات خارجہ بھی حکومت ہند کے ماتحت ہیں اور اس وجہ سے یہ دو مسئلے بھی میرے موضوع بحث کے اندر ہونگے۔

مالیات عامہ' اور اخراجات شخصی میں یہ بڑا فرق ہے کہ شخاص آمدنی کی حدبندیوں کے بعد اپنے اخراجات کا بجٹ درست کرتے ہیں در آنحالیکہ حکومتیں ملکی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے مدات اخراجات کو قائم کرتی ہیں' بعدہٗ ذرائع آمدنی کا جائزہ

لیتی ہیں جو ان اخراجات کی کفالت کر سکے۔ پس اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ذرائع آمدنی کی تلاش سے پہلے ہمیں مسئلہ اخراجات پر غور کر لینا چاہیئے۔

ایک حکومت کے لئے یہ تسلیم کر لیا جا سکتا ہے کہ اخراجات کی کفالت کے لئے اُسے اپنے ذرائع آمدنی پر پورا قابو حاصل ہے۔ مگر اس نکتہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت کی یہ طاقت اضافی ہے اور رعایا کی صلاحیت ادائیگی کے تناسب پر مبنی ہے اور اس کے بھی ایسے حدود ہیں کہ ٹیکس کے لگانے میں اُن حدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جوں ہی کہ مالیہ کا بار بچت کے حدود سے گذر کر رعایا کے آرام و آسایش کے وسائل پر پڑا، مالیہ کی وصولی میں رکاوٹ شروع ہو جائے گی۔ اور یہ کشمکش اور زیادہ ہوتی جائے گی جب یہ بار آسایش و آرام کے حدود سے بھی آگے بڑھ کر لوگوں کے محض ضروریات زندگی اور سخت احتیاج پر اثر ڈالنے لگے۔ ان آمدنیوں پر ٹیکس کا لگانا جو لوگوں کی زندگی اور ان کو ایک حالت درشتگی میں رکھنے کا

سبب ہو رہی ہوں، قومی طاقت اور صلاحیت کی بربادی کا موجب ہو جائیگا اور پھر ایسے محصولات پر اضافہ قیام و بقائے سلطنت ہی کو خطرہ میں ڈالدینے کا سبب ہو سکتا ہے۔ محصولات کو کچھ لوگوں کی تکلیف کا سبب ہونا قطعی یقینی ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ نے کوئی ایسا اصول ابھی تک وضع نہیں کیا ہے جس سے انفرادی استعداد ادائے گی ٹیکس کا پتہ لگ سکے۔ مگر پوری نگہبانی اس کی کی جاسکتی ہے کہ محصولات سے لوگوں کی استعداد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے اور وہ طبقہ اس بار سے مامون و محفوظ رہے جو اپنے بسر اوقات سے زیادہ حاصل نہیں کرتا۔

ان حدود کے ماتحت آمدنی کا اندازہ لگانے کے بعد، مالیات عامہ کا صرف اس طرح ہونا چاہیئے کہ خزانہ عامرہ کا ہر ایک روپیہ پورے پورے فائدے کے ساتھ خرچ ہو، اور خصوصاً ایسے وسائل پر زیادہ خرچ کیا جائے جو لوگوں کی صلاحیت پیداوار کو اور بڑھادیں انتظامات ملکی پر سب سے کم خرچ کرنا چاہیئے اور ایسے اخراجات سے احتراز کرنا چاہیئے جو محض کسی خاص طبقہ کیلئے

فائدہ بخش ہوں۔

مالیہ حکومت جو قومی دولت کا ایک ٹکرہ ہے ایسے اخراجات کے ذریعہ قوم کو واپس کر دینا چاہیئے جو ان کی حالت کو بہتر بنادے کیونکہ بصورت دیگر قوم کے مالی نقصان کا باعث ہوگا اور وہ اپنی پیداوار کے فوائد سے محروم ہو جائے گی۔

فصلِ چہارم

صَرف عامہ (اخراجات ملکی)

۲۶-۱۹۲۵ء کے صوبجاتی اور مرکزی اخراجات کے حسابی نقشوں کا معائنہ اس لحاظ سے نتیجہ خیز ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آمدنی کا کس قدر حصہ قومی فلاح و بہبود کے محکموں پر صرف ہوا تفصیل یہ ہے :-

قرضہ جات	۲۱,۶۳,۰۹,۰۰۹	۱۵٫۲	فی صدی
فوجی اخراجات	۵۵,۹۹,۸۵,۶۵۴	۳۹٫۵	"
انتظامات ملکی	۵۵,۴۴,۳۳,۵۸۷	۳۹٫۲	"
متفرقات	۸,۷۰,۶۰,۵۳۵	۶٫۱	"
	۱,۴۱,۷۶,۸۸,۷۸۵	۱۰۰٫۰۰	

"انتظامات ملکی" کے صیغہ میں جو رقم اوپر دکھائی گئی ہے۔ اس کا تفصیلی حساب یہ ہے۔

	لاکھ روپیہ	فی صد
انتظامات عمومی	۱۲٫۴۹	۸٫۹
محکمہ احتسابات	۸۴	٫۵۸
عدالت	۴٫۶۹	۳٫۳۱
قیدخانجات	۱٫۹۴	۱٫۳۸
پولیس	۱۱٫۶۹	۸٫۲
بندرگاہ	۳۱	٫۲۱
محکمہ امورات مذہبی (یعنی عیسائی گرجا)	۳۲	٫۲۲
سیاسیات	۳٫۳۷	۲٫۴
تحقیقات علمیہ	۸۶	٫۶
تعلیم	۱۰٫۶۶	۷٫۶
طبی	۳٫۲۰	۲٫۲۸
حفظان صحت	۱٫۸۱	۱٫۲۵
زراعت	۱٫۷۹	۱٫۲۴
صنعت وحرفت	۱٫۳۰	٫۹۲

	لاکھ	فی صد
ہوا بازی و متفرقات	١٠	١١
	٥٥٫٤٤	٣٩٫١٠

بہتر ہوگا کہ اسی مقام پر اخراجات مندرجہ بالا کا موازنہ شعبہ بہ شعبہ اسی سال کے جمہوریت امریکہ کے کسی صوبہ کے اخراجات عامہ سے کیا جائے۔

	لاکھ	فی صد
قرضہ جات	٢٫٤٣٢	٢٢٫٣
استحفاظ	٢٫٠٨٥	١٨٫٧
مرکزی حکومت	٫٨٦٧	٧٫٨
تعلیم	٢٫١٦٧	١٩٫٥
سڑک	١٫٥٦٨	١٤٫١
معاشرتی اصلاح	١٫٠٢٠	٩٫١
فوائد عامہ	٫٥٨٣	٥٫٢
ترقیات اقتصادی	٫٢٠٧	١٫٩
متفرقات	١٥٥	١٫٤
	١١٫١٣٤	١٠٠

واضح رہے کہ مذکورہ اعداد و شمار ایک ایسی جمہوری حکومت کے اخراجات ہیں جسے اپنی مالیات پر اختیار کامل حاصل ہے مگر ہندوستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہر دو ملکوں کے شعبہ ہائے اخراجات کے مختلف ہونے کے باعث موازنہ اچھی طرح اور پوری تفصیل کے ساتھ ممکن نہیں لیکن اس سے دونوں حکومتوں کی پالیسی کا اختلاف نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے خاصکر جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ امریکہ کے محکمہ استحفاظ میں پولیس بھی شامل ہے۔ اور ان دونوں ملکوں کی افواج دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں کم تنخواہیں نہیں پاتیں۔

جمہوریت امریکہ کی مجموعی آمدنی کا ۴۸٫۰۸ حصہ قرضہ جات، انتظامات ملکی، اور فوجی پر صرف ہوتا ہے۔ اور بقیہ رقم تعمیری کاموں پر صرف کی جاتی ہے۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ محکمہ تعلیم پر ۱۹٫۵ خرچ ہوتا ہے بخلاف اس کے ہندوستان اپنی آمدنی کا ۹۳٫۱۰ حصہ قرضہ جات، انتظامات ملکی اور فوجی خرچ کر دیتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تعمیری کاموں کے لئے اس کے پاس کچھ بھی باقی

نہیں رہتا۔ اس پر بھی اوس قلیل رقم میں جو صیغہ تعلیم پر صرف ہونے کے لئے مقرر ہوتی ہے امتیازی برتاؤ اس طرح روا رکھا جاتا ہے کہ یورپین آبادی کے لئے مبلغ ۲۵۰ روپیہ فی متعلم صرف روا رکھا جاتا ہے۔ اور ہندوستانیوں کے لئے صرف ۴ر فی متعلم۔ یعنی ملک کے نونہالوں کے مقابلہ میں یوروپین طلبا پر ۶۰ گنا زیادہ خرچ کیا جاتا ہے کیا یہی وہ قومی تعمیر کے اخراجات ہیں جو ہندوستان کے محافظوں نے اسکے لئے روا رکھے ہیں؟ حقیقت میں موجودہ حالات کے ماتحت فرزندانِ وطن کے لئے پس خوردہ ٹکڑے سے زیادہ نہیں چھوڑا جاتا۔[1]

پروفیسر کے۔ ٹی۔ شاہ نے دوسرے ملکوں کے اخراجات محکمہ استحفاظ کا ہندوستان کے اخراجات سے اس طرح موازنہ کیا ہے جو لایق غور ہے۔

1. Lajpat Rai Unhappy India. P. 55-56.

صیغہ استحفاظ	ملک	خرچ بحساب فیصد آمدنی
″	ہندوستان	۶۳ ر ۸
″	دول متحدہ انگلستان	۵۳ ر ۷
″	اسٹریلیا	۴۸ ر ۳
″	کناڈا	۲۴ ر ۲
″	جنوبی افریقہ	۵ ر ۲
″	ہسپانیہ	۱۷ ر ۶
″	فرانس	۲۰ ر ۰
″	اٹلی	۱۷ ر ۳
″	جمہوریہ امریکہ	۴۹ ر ۰
″	جاپان	۴۹ ر ۰

اس نقشہ سے صاف ظاہر ہے کہ غیر منفعت بخش اخراجات کا بارگراں کسطرح ہندوستان پر ڈال دیا گیا ہے۔ جب کوئی قوم اپنی محنت وکوشش کا بدل نہیں پاتی تو یہی اوس کے بہت جلد مفلس و قلاش ہو جانے کا سبب ہو جاتا ہے. انگلستان نے بہت سے غیر فائدہ بخش قرضے ہندوستان کو فتح کرنے اور ایشیا اور افریقہ کی

استعماری جنگوں میں صرف کرنے کے لئے لے لیا مزید براں ہندوستان کے ان ہی "خود ساختہ" محافظوں نے ایک سو میلین پونڈ کا عطیہ جنگ عظیم کیلئے آپ ہی آپ لے لیا۔ حالانکہ پروفیسر شاہ کے تخمینہ کے مطابق ہندوستان[1] اُس وقت خود ایک سو اسی کروڑ کے خسارے میں تھا۔ ایسے ناروا اخراجات کا بار ہندوستان پر ڈالنا جس سے ہندوستان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سراسر ناانصافی تھی۔

افواج کے قیام کے متعلق پروفیسر شاہ تحریر فرماتے ہیں[2] کہ افواج ہند جس قدر کثیر اخراجات کا سبب ہو رہی ہے۔ اسی قدر بیکار و بیضرورت ہے اور اِس محکمہ کے مفروضہ خدمات کے مقابلہ میں اس کا صَرف حد سے زیادہ ہے۔

مسٹر ریمزے میکڈونلڈ بھی تقریبًا اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "حقیقت[3] میں اس معاملہ میں ہندوستان کے ساتھ

---

1. K. T. Shah's wealth Taxable capacity of India P 276. — 2. Ibid (ایضاً) P 272.

3. J. R. Macdonald's The Govt of India P. 153

منصفانہ برتاؤ نہیں کیا گیا۔" اور پھر[1] "ہندوستانی افواج کا کم از کم
نصف حصہ ایسی شاہی فوج پر منحصر ہے جس کا استعمال ہندوستانی
مفاد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے ازراہ انصاف اس حصہ کے اخراجات بجائے
ہندوستان کے انگلستان کے خزانہ سے ادا ہونا چاہئے۔"

انتظامات ملکی

جمہوریہ امریکہ کے مقابلہ میں اس محکمہ پر ہندوستان کے
اخراجات پانچ گنا زیادہ ہیں اور مسٹر میکڈونلڈ کے اس اقرار
پر ہمیں تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں جنہیں[2] یہ قبول کرنا ہی پڑتا ہے
کہ حکومت ہند ایک غیر منصفانہ مسئلہ ہے" اور اسی سلسلہ میں پھر
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "ایک بدیسی[3] حکومت بہر حال ایک گراں
خرچ حکومت ہے خواہ اپنی شکل و معنی کے لحاظ سے اس کی قیمت
واجبی ہی کیوں نہ ہو۔" حکومت ہند کے ملازمین کی بھرتی اور انتخاب
انگلستان میں کیا جاتا ہے جہاں رہائش زندگی گراں ہے اور
اسی وجہ سے مشاہرہ بھی حد سے زیادہ پڑتا ہے کہ یہ نوکریاں

1. J. R. Macdonald's The Govt of India P. 154.
2. . . . . Ibid . . . . P. 145.
3. - - . . do . - - - do . . P 147.

ان کے لئے موجب کشش ہو جائیں۔ مزید براں بیرونی ملازمتیں اپنے اندر کچھ معاوضہ انسانی[1] کا حق بھی رکھ لیتی ہیں جو مشاہروں کے مزید زیادتی کا سبب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان نوکریوں کے باعث ملازمین کو وطن چھوڑ کر آنا اور غیر ملک اور لوگوں میں کام کرنا کرنا ہوتا ہے۔ حکومت برطانیہ کے دور اولین میں طرز حکومت کے نئے اور غیر ملکی ہونے کے باعث لوگوں کو صرف کثیر پر لانا کچھ معنی رکھ سکتا تھا مگر اب جبکہ ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی مل رہے ہیں، غیر ملکی لوگوں کا لانا سراسر نامعقولیت اور ناانصافی کی دلیل ہے۔ اب یہ دفتری طرز حکومت اعلیٰ خیالی اور اقدام عمل سے بے بہرہ ہو چکی ہے اس کی کارروائیاں صیغہ راز میں ہوا کرتی ہیں اور قومی پیداوار کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ایک ہزار ماہانہ سے زیادہ مشاہرہ پانے والوں کا ۱۳-۱۹۱۲ء میں

1. K. T. Shah's sixty years of Indian Finance P.101
۱۳-۱۹۱۲ء کے بعد سے ہندوستانی اعلیٰ ملازمتوں میں کچھ دیئے گئے ہیں مگر اس سے ہمارے مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اصلی مقصد ہندوستانی ملازمتوں کو بڑھانا اور ان کو بڑے بڑے مشاہرے دینا نہیں ہے۔ بلکہ قومی تعمیر کے کاموں پر صرف کرنا ہے۔ مثلاً تعلیم نہر وغیرہ۔

یہ تناسب تھا کہ ۵۰ء۹۵ (فی صدی) فرنگی اور اینگلو انڈین تھے اور ۵۰ء۴ (فی صدی) ہندوستانی۔ ملازمتوں کا مجموعی حساب کرنے سے فرنگی مشاہرہ دار کا اوسط فی کس ماہانہ ۹۳۲ روپیہ اور ہندوستانی کا ۱۰۳ روپیہ ہوتا ہے۔ مبلغ پچاس روپیہ ایک ٹیکس ادا کرنے والے کی سالانہ آمدنی قرار دینے کے بعد جو تخمینہ ۱۱-۱۹۱۰ء میں لگایا گیا تھا۔ اگر ان اخراجات کا موازنہ ٹیکس ادا کرنے والے کی آمدنی سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک فرنگی افسر کا مشاہرہ ۲۲۴ افراد کی اوسط سالانہ آمدنی کے برابر ہے۔ اور اس طرح ہندوستانی مشاہرہ دار کا تناسب ۲۴ گنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرنگی اور ہندوستانی ملازموں کو غربا کی صلاحیت اور استعداد پیداوار سے بدرجہا زیادہ مشاہرہ دیا جاتا ہے۔ نیویارک جو ایک دولتمند ملک کا بے حد مالدار صوبہ ہے۔ اوس کے گورنر کا مشاہرہ دس ہزار ڈالر (ایک امریکہ سکہ) سالانہ ہے جو وہاں کے باشندوں کی اوسط آمدنی سے صرف چودہ گنا زیادہ ہے حالانکہ صوبہ بمبئی اپنے گورنر کو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ (۱۲۰۰۰۰) ۴۵ سال کے برابر)

ادا کرتا ہے جو ۲،۴۰۰ افراد کی سالانہ آمدنی کے برابر ہو جاتا ہے
مسٹر ریمزے میکڈونلڈ اس مسئلہ پر رائے زنی کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ "حکومت[1] کے ہر صیغہ کے ملازمین کی تنخواہ ہندوستانی
معیار زندگی کے مطابق رکھنا چاہیئے نہ کہ غیر ملکی اور وہ اس
امر کو قبول کرتے ہیں کہ "یہاں[2] تک ہم لوگوں (یعنی انگریزوں)
نے ہندوستان کو بے حد نقصان پہنچایا ہے اور یہ ایک ایسی
اصلاح ہے۔ جسے حکومت خود اختیاری حاصل کرنے پر اگر ہندوستانی
عمل میں لائیں تو بالکل بجا اور درست ہوگا" مالیہ کا بیشتر حصہ
نظام حکومت پر صرف ہو جانے کے باعث دوسری ضرورتوں
کے لئے بہت کم روپیہ بچ رہتا ہے اگر ملازمین حکومت ہندوستانی
ہوتے تو دولت کا الٹ پھیر ملک ہی میں ہوتا رہتا اور ملک
کی مجموعی دولت کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر ملک کی پریشانی اور
خطرے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک کثیر رقم بصورت مشاہرہ
اور پنشن ملک سے ہر سال باہر چلی جایا کرتی ہے۔ اور یہ ملکی دولت
اس طرح، دیسی حکمرانوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جبکا ملک کو کچھ ہی

1. J. R. Macdonald's The Govt of India P. 147
2. Ibid P. 148

معاوضہ نہیں ملتا۔ پنشن کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر میکڈونلڈ لکھتے ہیں کہ "پردیسی[1] حکومت کے یہ مردہ مطالبات دہری طرح پر خطرناک ہیں کیونکہ یہ رقوم نہ صرف ہندوستان کی پیداوار ہی سے وصول کر لی جاتی ہیں۔ بلکہ ملک سے باہر بھی بھیج دی جاتی ہیں" پھر ہندوستان کی دولت کے اس بے دریغ زیاں کو خوبصورت استعاروں میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک سیراب[2] کرنیوالی نہر کے مفید پانی کو اس طرح بہانا ملک کے لئے ہلاکت آفرین ہو جائیگا" اور آخر کار وہ اپنی آخری رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ "اس[3] قدر کثیر رقم کے نکلتے رہنے کے بعد ہندوستان کی عام خوشحالی کی توقع امید موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی" پس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ۵/۹۰۱۳۲ ۱۹ فی صدی ملکی آمدنی محض ضائع و رائگان ہو جاتی ہے۔ حکومت پیداوار دولت کے ذریعوں کے بڑھانے پر صرف نہیں کرتی بلکہ ہر سال

1. J.R. Macdonald's The Govt of India P. 148
2. Ibid ,, 148
3. Ibid ,, 149

ایک کثیر رقم بلا کافی معاوضہ کے ملک سے باہر بھیج دیا کرتی ہے اور لوگ اپنی محنت کا ثمرہ نہیں پاتے۔ ایسی پالیسی کا مسلسل جاری رہنا یقینی فلاکت کا باعث ہو جائیگا۔

اس محکمۂ انتظامی کے اخراجات کو ملک کے اقتصادی ترقیات کے تناسب سے ہونا چاہیئے۔ خرچ کا موقع خواہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر ملکی فوائد کا موجب نہیں تو رائگاں ہی جائیگا۔

اخراجات حکومت یعنی اخراجات اصلی

ہندوستان جیسے زرعی ملک میں محکمہ نہر پر صرف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس کی ضرورت ہے کہ سستے اور دیہاتی ذرایع حمل ونقل درست کئے جائیں۔ مگر حکومت نے محکمہ نہر پر تو صرف ۹۶ چھیانوے کروڑ روپیہ صرف کیا ہے۔ لیکن محکمۂ ریلوے پر چھ سو چھبیس ۶۲۶ کروڑ روپیہ خرچ کر چکی ہے۔[1] اس وقت ہندوستانی ریلوے لائین اپنی پیمایش کے حساب سے ایشیا کے تمام ملکوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ یعنی ۳۰،۵۷۹ میل ریلوے لائین ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس پر بھی دوسری اہم ضرورتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، تاکہ ریلوے تعمیر اور جاری رہے۔ اسی طرح ملک کی

1. The Statistical Abstract of British India P. 217

ساری آمدنی بے قرینہ صرف کی جا رہی ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ[1] اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "ایوان تجارت کی بجائے دفتر جنگ کے تیار کردہ نقشوں کے مطابق ریلوے" اور اسی طرح کے کاموں پر روپیہ قرض لیکر صرف کیا جا رہا ہے اور ان جنگی اخراجات کا دوسرا نام تعمیرات ریلوے رکھ لیا گیا ہے۔ یہی پولیسی جنگی پہلو کے علاوہ انگلستان کی فولادی صنعت کو معروف فروغ رکھنے کا باعث ہوئی" اس سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ خام اجناس انگلستان بہ سرعت پہنچائی جا سکی۔ اور غیر ملکی مصنوعات غیر مساوی[2] محصولات اور تھوک محصولات Block Rate کے ماتحت ملک میں تقسیم ہوئیں۔ یہ طریقے جو غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لئے رائج کئے گئے ہیں۔ اس کے نقصان دہ نتائج ان چند مثالوں سے واضح ہو جائیں گے جو ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں دیا سلائی کی صنعت کو لیجئے۔ بیرونی دیا سلائی کے لئے بمبئی سے دہلی تک کا ریلوے محصول اسی قدر ہے جس قدر کہ احمد آباد کی تیار شدہ دیا سلائی کا

1. J.R. Macdonald The Govt of India P. 151
2. N.B. Mehta's Indian Railways Rates + Regulations P 134-5.

دہلی تک ہے حالانکہ موخرالذکر کا فصل تین سو میل کم ہے۔ یعنی دہلی احمد آباد کے مقابلہ میں بمبئی سے ......
......بقدر تین سو میل دور ہے۔ اس طرح بیرونی تجارت کو امداد[1] پہنچانے کے ذوق میں بمبئی سے احمد آباد تک کے لئے پوری گاڑی کا محصول معاف کردیا جاتا ہے احمد آباد کے صناعوں کے دہ سالہ احتجاج کے بعد محصولات میں اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ احمد آباد سے دہلی تک کا کرایہ دو روپیہ دو آنہ گیارہ پائی مقرر کیا گیا اور بمبئی سے دہلی تک تین روپیہ سات آنہ دو پائی۔

ملکی مصنوعات مثلاً دیسی شکر وغیرہ کی تجارت کی عدم ترقی کے سبب کی جب تحقیقات کی جاتی ہے تو پتہ لگتا ہے کہ اس میں بھی غیر مساوی ریلوے محصولات کو بہت بڑا دخل ہے۔ غیر ملکی شکر کا محصول بمبئی سے کانپور تک کے لئے تیرہ آنہ دو آنہ دو پائی فی من رکھا گیا ہے جس کا درمیانی فصل ۸۴۰ میل ہے مگر اسی طرح جب دیسی شکر کانپور سے (اکولہ (صوبہ متوسط) روانہ کی جائے تو اسکا

1. N.B. Mehta's Indian Railways Rates & Regulations P. 149.

محصول باوجود ۶۴۹ میل ہونے کے ایک روپیہ دو آنہ چار پائی فی من لیا جاتا ہے۔ غیر ملکی اور دیسی اشیاء کی نقل میں یہ بین فرق اور بھی غیر منصفانہ طریقہ پر نمایاں ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیسی اشیا کے مقابلہ میں غیر ملکی اشیا گراں قیمت ہوتی ہیں اور "گراں قیمت پر گراں محصول" کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر ملکی اشیا پر اصولاً زیادہ محصول عائد کرنا چاہیئے۔ غیر ملکی شکر کا محصول بمبئی سے بارسی تک چھ آنہ فی من رکھا گیا ہے بخلاف اسکے گڑ جو محض غربا کے کام آتا ہے اس کا محصول بارسی سے بمبئی تک نو آنہ نو پائی فی من رکھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محصول غیر ملکی شکر کے درآمد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ سر مہتا کا خیال ہے کہ "دیسی شکر کے مقابلہ میں غیر ملکی شکر پر ریلوے محصول نہ صرف کم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ گڑ کے مقابلہ میں بھی اوسے سستا رکھا گیا ہے۔ جو محض ایک حقیر شئے ہونے کی وجہ سے غریبوں اور مفلسوں ہی کے کام آتا ہے"

1. N.B. Mehta's Indian Railways P. 149.
2. Ibid " " P. 149.

ہندوستان کے اندر فرنگی صنعت کو ترجیح دینے کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ دہلی سے دیگر ہندوستانی پارچہ بافی کی صنعت گاہوں کے محصولات کا فرق بمقابلہ کانپور کے (جو فرنگی پارچہ بافی کی صنعت گاہ ہے) نمایاں طرح پر قائم رکھا گیا ہے۔ چوڑائی سے کانپور کا فصل ۳۶۳ میل ہے۔ مگر روئی کی گانٹھ اگر چوڑائی سے کانپور روانہ کی جائے تو محصول فی من پانچ آنہ ہے۔ لیکن اسی جگہ سے اگر روئی دہلی روانہ ہو تو باوجود ۲۸۰ میل فصل ہونے کے ریلوے محصول چھ آنہ سات پائی مقرر کر دیا گیا ہے۔ مسٹر مہتا کے بیان کے مطابق[1] اس غیر مساویانہ سلوک کا یہ نتیجہ ہوا کہ دہلی کی پارچہ بافی کی ملیں بند ہوگئیں۔"

یہی حال دیگر خام اجناس کا بھی ہے۔ جب انھیں ملک سے باہر بھیجنے کے لئے بندرگاہوں پر روانہ کیا جاتا ہے تو ریلوے محصولات سستا رکھا جاتا ہے اور جب اسی کو اندرونِ ملک کے صنعتی مرکزوں پر بھیجا جاتا ہے تو محصول گراں کر دیا جاتا ہے۔ مسٹر گھوش کا بھی یہی خیال ہے کہ ان غیر متوازی محصولات کے ذریعہ حکومت

---

1. N.B. Mehta's Indian Railways Rates & Regulation P.149.

غیر ملکی تجارت کی امداد[1] کرتی ہے۔ نیز باربرداری کے ذرایعوں
کے فوائد سے انکار کئے بغیر اسے مان لینا پڑیگا کہ موجودہ اقتصادی
حالات کے ماتحت یہ ذرایع اپنی ضروریات اور احتیاج سے بعید
فاضل ہیں۔ ہندوستان میں ریلوے کا اجرا اس وقت کر دیا گیا
جب اس کے لئے کوئی اقتصادی مجبوری پیدا نہیں ہوئی تھی حالانکہ
اس کے اجرا کا سبب اقتصادی مجبوری اور دباؤ ہونا تھا اور یہی
وجہ ہے کہ محکمہ مذکور اپنا خرچ آپ برداشت نہیں کرتا۔ اور مالیات
ہند کا ایک کثیر حصہ اس غیر اقتصادی اور غیر فطری محکمہ پر صرف ہو جاتا
ہے۔ اور ان تمام مذکورہ بالا نظایر پر غور کرنے کے بعد صاف
ظاہر ہو جاتا ہے کہ ریلوے ہمارے لئے ایک رحمت ثابت نہیں
ہوئی اور نہر، باربرداری اور صحت عامہ کے ضروری محکموں کو نظر
انداز کرتے ہوئے ملکی سرمایہ کو محض محکمہ ریلوے پر لگائے جانا
اسراف کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور پھر یہ اسراف کسی اتفاقی غلط فیصلہ
کے باعث نہیں ہوا ہے۔ بلکہ حکومت پورے ارادہ اور زور کیساتھ

1. Lectures one Indian Economics Part II P 36

سالہا سال پبلک کے اعتراضات کے باوجود اس پر عمل پیرا ہونی رہی ریلوے کے غیر متوازی محصولات کوئی نئی چیز نہیں ہیں ملک کے خصوصی صنعتوں کے فروغ اور ترقی کیلئے اس پر ہر ملک میں عمل کیا جاتا ہے۔ مگر ہندوستان کی ریلوے ایسی حکومت کے قبضہ میں ہے جو ملک کا "متنولی" تو بنا بیٹھا ہے۔ مگر اس کی مجرمانہ لاپرواہی ہندی محصول دہندوں کے حق میں مصیبت انگیز اور افسوسناک ثابت ہو رہی ہے۔

ماہر اقتصادیات[1] مسٹر ڈی۔ای۔ واچا کا خیال ہے کہ "وہ قرضے جو اجرائے ریلوے کے لئے حکومت نے لئے اس کا بار ہندوستانی آبادی براہ راست اُٹھا رہی ہے۔ اور اگر کسی کے حق کی حفاظت کی ضرورت تھی تو وہ ہندوستانی محصول دہندہ کی تھی نہ کہ اُن مٹھی بھر پردیسی غاصبوں کی جو آج ہیں اور کل نہیں، اور جنھوں نے ہندوستان کو اپنا خوبصورت شکارگاہ بنا رکھا ہے۔ ایسی ریلوے پالیسی قطعی ناقابل معافی ہے۔ جو قلیل التعداد

[1] D.E Vachha's Indian Railway's Finance P.160

جماعت کے فواید کے مقابلہ میں لاکھوں ملکی باشندوں کے فواید کو نظر انداز کردے۔ فی الحال دوسرے مسئلوں کی طرح ریلوے کا مسئلہ بھی غیروں کے ہاتھ میں ہے جو اپنی ہی راگ الاپتے جاتے ہیں اور اس سارے تماشے کا بار غریب ہندوستانی محصول دہندہ کے سر رکھے جاتے ہیں"

ولیم ڈگبی لکھتا ہے کہ "ریلوے نے ملک میں خام اجناس کی نقل وحرکت کو آسان کردیا ہے مگر یہ افزایش پیداوار کا سبب نہیں ہوسکی۔ ریلوے کی مدد سے جو خام اجناس ملک سے باہر روانہ کی گئیں اوس کا کچھ قلیل منافع باشندگان ملک کو بھی ملا مگر بقیہ سارا کا سارا منافع ہاتھ سے نکل جانے کے باعث ملک کی ہلاکت اور بدنصیبی کا دائمی سبب ہوگیا ہے۔ خام اجناس کی برآمد اور مصنوعات کی کھپت کا مطالبہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کہ انگلستان کے کثیر مالی مطالبہ کو پورا کیا جاسکے اور ملک کو تباہی کے گھاٹ اُتار اُتار کر یہ ریلوے اس غیر ملکی طرز حکومت کو پوری طرح امداد پہنچا رہی ہے"[1]

---

1. William Digby's The Ruining of India P. 9.

جہانتک ہندوستان کو اس کے بندرگاہوں سے ملانیکا تعلق ہے ریلوے لائنوں کو پوری طرح ترقی دی گئی ہے۔ مگر دیہاتی اقتصادیات کے نقطۂ نگاہ سے اندرون ملک میں چھوٹی ریلیں اور نہری راستوں کے نکالنے میں افسوسناک پہلوتہی برتی گئی۔ حکومت نے برطانوی ایوان تجارت کے ہنگاموں پر تو توجہ کیا۔ لیکن ہندوستانیوں کی فریاد پر توجہ نہ کی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو توسیع ریلوے ایک حد تک ہندوستان کی گذشتہ قحط سالیوں کی ذمہ دار ہے جو پے در پے ہوتی رہی ہیں کیونکہ دور کے بازاروں کی خاطر ملک کا پسماندہ غلہ کھچ جایا کرتا تھا۔ گو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قحط زدہ علاقوں میں دوسری جگہوں سے انہیں ریلوں کے ذریعے غلہ پہنچایا گیا ہے اور وہاں کی مصیبت دور کی گئی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ تو علاج کی صورت ہوئی۔ حالانکہ اصلی اور حقیقی کام قحط کے امکانات کو دور کرنا تھا۔ اور ایسی بہتر اقتصادی کیفیات کا پیدا کرنا تھا۔ کہ رعایا مالیہ کی ادائیگی کے لئے اپنا حقیر اندوختہ بیچ دینے پر مجبور

1. Radha Kamal Makerji's The Rural Economy of India P. 225.

نہ ہو جائے مگر اس وقت اس طرح کی کوئی آسانیاں موجود نہیں ہیں اور ریلوے مال گاڑیوں کے غیر منوازی سستے محصولات نے غیر ملکی خریداروں کو اس قدر دلیر کر دیا ہے کہ وہ فصل کی تیاری سے پہلے ہی اوس کی خریداری ختم کر دیتے ہیں۔ ان اسباب پر جب غلہ ملک سے باہر ہو جاتا ہے تو ملک میں غلے کی گرانی ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کی مصیبتیں اپنی جگہ پر اسی طرح قائم و دائم رہتی ہیں۔

مذکورہ بالا حالات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ کس طرح تعمیرات ریلوے پر بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا جس نے یا تو جنگی مقاصد کو پورا کیا یا پھر غیر ملکی تاجروں اور صناعوں کے فائدے کی موجب ہوئیں۔ بہر حال ہندوستانی محصول دہندہ کا نہ اس سے کچھ فائدہ ہوا اور نہ یہ تعمیرات اس کی طاقت پیداوار کو بڑھا سکیں بلکہ اقتصادی حالات کے خلاف توسیع ریلوے کا یہ نتیجہ ہوا کہ محکمہ مذکورا اپنا خرچ پورا نہیں کرتا اور حکومت کو معاونت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

ریلوے پر بے دریغ روپیہ بہانے کے باوجود جس سے غریبوں کا کچھ بھی بھلا نہ ہوا۔ حکومت نے بقیہ سرمایہ کے لئے بھی خرچ کے ایسے

ہی غیر ضروری اور بے منفعت وسائل تجویز کئے جن سے عوام کی بہتری و بھلائی کو کوئی سروکار نہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر ایچ این ہائینڈمین[1] تحریر کرتے ہیں کہ یہ غیر ملکی حکومت تو اور بھی مصرف ہوگئی نئی دہلی اور دارالسلطنت ڈھاکہ کی تعمیر میں جس طرح کروڑوں کا صرف کیا گیا۔ حکومت کے لایعنی اصراف کا بین ثبوت ہے اور پھر ان مہلکانہ اخراجات کے قائم رکھنے کے لئے لگان کی وصولی میں جس طرح سختی روا رکھی گئی اس نے کاشتکار کو غریب سے غریب تر بنا دیا۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مساواتِ تقسیم کا نظریہ حکومت کے تمامی اخراجات میں کارفرما ہے۔ تو اس اصول پر بھی حکومت کی مالی پالیسی صحیح نہیں اترتی۔ ایک کثیر رقم بغیر ہندوستان آئے ہوئے انگلستان میں ہی رہ جاتی ہے۔ جس کا کوئی فائدہ ہندوستانی محصول دہندہ کو نہیں ہوتا۔ گویا ان بیچارے فاقہ مستوں کے ثمراتِ محنت کی ایک گھنگھور گھٹا اٹھتی ہے اور پانچ ہزار میل دور بسنے والے خوشحال باشندوں پر برس کر ان کی فراغت اور خوشحالی کا باعث ہو جاتی ہے۔

1. H.N Hyndman's The Truth about India P. 43.

پروفیسر شاہ کا اندازہ ہے کہ چار سو کروڑ کے مجموعی محصولات میں سے تقریباً دو سو کرور روپیہ تو ضرور اس طرح صرف ہو جاتا ہے جس سے ہندوستانی محصول دہندہ کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی میں وہ رقوم بھی شامل ہیں جن کے خرچ کرنے کا حق معاہدوں کے ماتحت صرف وزیر ہند کو ہے۔ اور اس میں حکومت ہند کا کوئی دخل نہیں۔ اور انہیں رقوم کو "مطالبات وطن" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

زرکاغذی مبادلت

مسئلہ مبادلت میں حکومت روپیہ کی قیمت کو برقرار رکھنے کی پرواہ نہیں کرتی۔ حالانکہ اسے قائم رکھنے سے عوام کی استعداد خریداری کو درست رکھا جا سکتا ہے۔ مگر حکومت تو اشرفیوں کے نرخ کے نقطۂ نگاہ سے روپیہ کی قیمت کو قائم رکھتی ہے۔ جس سے غیر ملکی تاجروں کو فائدہ ہو۔ اسی مقصد سے مبادلات خارجیہ کو ذخیرہ معیار مبادلہ طلائی کے ذریعہ قائم رکھا ہے اور اس چار کرور کے ذخیرہ کے علاوہ دو کرور سرمایہ محفوظ زر کاغذی بھی تھوک سونے اور رہن کے ذریعہ لندن میں محض وہاں کے تاجروں کی خاطر محفوظ کر لیا ہے

غرضکہ ہندوستان کو اس کے مجموعی چھ کروڑ روپے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ تجارتی بنکوں کی اگر کبھی بھی ملک میں حاجت تھی تو اب تھی۔ مگر ان کثیر المقدار خزانوں کو لندن میں رکھ کر ہندوستانی بنک کی ترقی کو مسدود کر دیا گیا ہے۔ جس کا نقصان وہ اثر ملک کی فلاح اور بہبودی پر پڑ رہا ہے۔ سر ایم۔ ڈی۔ پی۔ وبب نے اپنے اس نوشتہ میں جو چیمبرلین کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا[1] تحریر کیا ہے کہ ذخیرہ معیار طلائی کو کلیتاً لندن میں رکھنے کی پالیسی کے متعلق میرا خیال ہے کہ نہ صرف سونے کی برآمد کے مسئلہ میں بلکہ اس کو دنیا کے دوسرے کنارے پہنچا دینے میں حکومت نے بعید غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے"۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ "اپنے ناکافی ذخیرہ طلائی کو محفوظ کئے اور تقویت دئے بغیر سارا سونا ایک ایسی جگہ جمع کر دینا جہاں کے تاجروں کو اپنی خوشحالی کے باعث اس کی ضرورت نہ ہو ہندوستان کو ایسے اقتصادی خطرے میں ڈال دینا ہے جس سے وہ جائز طرح پر استفادہ[2] طلب کر سکتا ہے"۔ پروفیسر

1. Vadia & Goshi Many & Many Market in India P. 260
2. Ibid P. 260

واڈیا اور جوشی تحریر فرماتے ہیں کہ حکومت نے ساہوکاروں کا[1] روپ لے لیا ہے اور وہ اپنے لامحدود اختیارات سے روپیہ کو اس طرح اندوختہ کر سکتی ہے جو غیر اقتصادی بنیادوں پر مبنی ہو اور جو ایسی بنیادوں پر مبنی ہو جس کا تعلق ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی سے کچھ بھی نہ ہو

کچھ مسئلہ زر کو اس طرح چلانے کے سبب ہندوستان کو نقصان ہوا اور کچھ غیر مفید مصرفانہ اور ضائع کن اخراجات کے سبب جو حکومت نے روا رکھے ہیں ملک تباہ و مفلس ہو کر رہ گیا۔ اُس ملک کی تباہی اور فلاکت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس پر ایسی اقتصادی مصیبتیں نسلاً بعد نسلاً قائم رہی ہوں۔

1. Vadia & Joshi Many & Many Market in India P. 250.

فصلِ پنجم

محاصلِ ملکی

ہندوستان جیسے غریب اور زرعی ملک میں لگان کا
بڑا حصّہ غریب عوام ہی سے بالواسطہ بذریعہ محصولات وصول کیا جاتا
ہے۔ بنابریں ایک بڑی ذمہ داری حکومت پر یہ آجاتی ہے
کہ وہ اس امر کی نگہبانی کرے کہ غربا کی ضروریات پر زیادہ
محصولات عاید نہ ہوں اور اُسے چاہیے کہ محصولات تنزل آمیز
(یعنی ایسا طریقہ محصولات کہ جس میں آمدنی کے بتدریج ترقی کیساتھ
محصول کم ہوتا رہے) کے طریقے کو چھوڑ کر محصولات ترقی پذیر
(یعنی جس میں افزایش آمدنی افزایش محصولات کا سبب ہوں)
اور محصولات متناقص پر عمل درآمد کرے نیز بذریعہ محصولات
متناقص ایسے حدود قائم کردئے جائیں تاکہ اس سے کم اور
زیادہ پر آمدنیاں محصولات سے آزاد ہوجائیں۔ اشیاے درآمد

و برآمد کے محصولات کا نقشہ اس احتیاط اور تجربہ سے تیار ہونا چاہیے
کہ جس سے متوسط، اور غربا کی ضروریات زندگی پر اثر نہ پڑے۔
ہر چند کہ حکومت کا بار سارے باشندوں پر تقسیم ہونا چاہیے
مگر نہ اس طرح کہ زیادہ بار غربا پر پڑ جائے۔ ان کی ضروریات زندگی پر بار ڈالنے
سے پہلے تمام دیگر ذرائع آمدنی کا جائزہ لے لینا چاہیے۔

اخراجات اور وصولی محصولات میں بہترین نظم کو پیش نظر
رکھتے ہوئے اخراجات کو حساب سے رکھنا چاہیے۔ کیونکہ آمدنی
کے تناسب سے کچھ بھی اخراجات کی زیادتی نقص انتظام کا پتہ دے گی
خواہ وہ کسی انتظامی ضرورت سے ہو یا کسی اصولی ضرورت
کے ماتحت عمل میں آئے۔

حکومت کو ایسی تجارتی اور صنعتی کوشش میں جس کا اثر غربا پر
پڑتا ہو محصولات کے نقصان کا خیال نہ کرنا چاہیے اور ملک کی
ضروریات کے مطابق ذرائع دولت کو فروغ دیتے رہنا چاہیے
ان امورات کو پیش نظر رکھتے ہوئے محکمہ نہر اور صیغہ باربرداری
کے محصولات کی کمی کا خیال رکھنا چاہیے کہ جس سے غربا کی پیداوار

دولت پر خاص اثر پڑتا ہے۔

افسوس ہے کہ ملک میں جہالت پھیلی ہوئی ہے اور مصنوعات کے استعمال میں لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ وہ کن کن چیزوں کا استعمال کریں اور کن کن اشیاء کا استعمال ان کے اخلاقی و مادی نقصان کا موجب ہو سکتا ہے۔ پس حکومت کو چاہیئے تھا کہ وہ درآمد پر اس طرح محصولات لگائے کہ جس کی وجہ سے آمدنی کو نقصان پہنچے بغیر لوگوں میں غیر ضروری اشیاء کا استعمال کم ہو جائے۔

رعایا کی استعداد ادائیگی محصولات کے اندازہ کرنیکے علاوہ حکومت کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ محصول دہندہ کیلئے ادائیگی کا کونسا وقت اور موقع بہتر ہوگا اور ملک کی آئندہ پیداوار پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔

وصولی محصولات کا اصول اسطرح قائم کرنا چاہیے کہ ایک مناسب حد تک آمدنی کا بہاؤ برابر دائم و قائم رہے اور رعایا کو کوئی نقصان پہنچے بغیر حکومت کے اخراجات کیلئے روپیہ بروقت ملتا رہے۔ سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء کے نقشہ اعداد و شمار کے خلاصہ سے مرکزی اور صوبہ داری حکومتوں کے تمامی مدات آمدنی بعد منہائی اخراجات درج کیے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ ہر صیغہ کی آمدنی فی صد

کے حساب سے کس قدر ہوتی ہے اور آئندہ صفحات میں یہی دکھایا جائیگا کہ بعض مدات آمدنی میں ترقی کی گنجایش موجود ہوتے ہوئے بعض دیگر سیاسی وجوہ کی بنا پر کس طرح قصداً نظر انداز کیا جا رہا ہے

	خام آمدنی سے فی صدی اخراجات کی منہائی	بچت آمدنی
چنگی	۱،۷	۴۶،۹۶،۱۸،۵۱۷
محصولات (انکم ٹیکس)	۳،۶	۱۵،۵۳،۳۲،۱۳۴
محصولات نمک	۱۹،۷	۵۰،۷،۹،۶۱۹
محصولات افیون	۵۰،۸	۱۰،۳۵،۲۱،۴۳۷
مالگذاری	۱۱،۶	۲۱،۴۳،۷۹،۳۲۴
اسٹامپ		۱۳،۲۸،۵۲،۲۰۵
آبکاری وادویات		۱۷،۲۹،۱۳،۶۴۱
جنگلات		۲،۶۰،۳۱،۰۲۹
رجسٹری		۷۸،۱۴،۶۷۹
خراج	(Tributes)	۸۴،۲۹،۴۸۲
محصولات مختلف (یا ابواب)		۳۴،۷۸،۲۱۰

	آمدنی	خرچ	بچت
ریلوے	۳۴،۴۳،۴۰،۷۵۹	۲۸،۹۲،۱۷،۸۰۶	۵،۵۱،۲۲،۹۶۲
نہر	۳،۷۴،۹۴،۵۴۹	۱،۳۵،۹۰،۵۲۵	۳،۷۴،۹۴،۵۴۹
تار و ڈاک	۸۶،۳۵،۲۲۰	۵۰،۹۶،۱۳۴	۳۵،۶۶،۰۸۵
منافع مبادلت و سود و ٹکسال	۴،۶۳،۸۹،۱۰۱	۷۰،۱۱،۴۱۳	۳،۹۳،۷۸،۶۸۸
غیر معمولی	۲،۱۸،۶۹،۲۰۲	۳۶،۳۴،۷۱۹	۱،۹۲،۳۴،۴۸۲

چنگی

چنگی کے لگانے میں جس طرح اشیاء کی تقسیم کی گئی ہے اس سے یہ پتہ چلنا مشکل ہو گیا ہے کہ محصولات کے لگانے کا کونسا اصول کارفرما ہے۔ لیکن بڑی تلاش و تجسس سے جو کچھ پتہ لگ سکا ہے اوس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

	رقم لاکھ میں ظاہر کیگئی ہے
محصولات برآمد	۸۹،۵
محصولات چنگی بر پیٹرول	،،

محصولات درآمد:-

موٹر سائیکل وغیرہ........	۳۳۲
شراب و دوا وغیرہ........	۲۵۴
مشین ریلوے گاڑیاں......	۱۲۴
مصنوعات پارچہ جات لوہا وغیرہ	۸۲۹
میزان	۲۶۲۰۵

مذکورہ بالا محصولات چونکہ بہت حد تک سامان آسائش پر
لگائے گئے ہیں اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا اثر متوسط
طبقہ کے لوگوں پر پڑنا ایک قدرتی امر ہے۔ چنگی کی بجٹ آمدنی
چھیالیس ۴۶ کروڑ چھیانوے ۹۶ لاکھ (۴۶،۹۶ لاکھ) ہوتی ہے اس
رقم میں اگر ہم اس ۰٪۴ فی صدی آمدنی کے اضافہ کا حساب لگائیں
جو مبلغ ۲۰۵،۲ لاکھ پر متوسط طبقہ کو بصورت کمیشن و اخراجات مل جاتا ہے
تو چنگی کی مجموعی آمدنی ۴۸۰،۰۴ لاکھ ہو جاتی ہے پس اس مجموعی آمدنی سے متوسط الحال
لوگوں پر اثر ڈالنے والی رقم کو جب منہا کیا جائے (۲۰۵،۲-۴۸۰،۰۴) تو مبلغ ۲،۲۷۹ کی وہ رقم
مل جاتی ہے جس کا اثر غربا کی ضروریات زندگی پر پڑتا ہے۔
حکومت کے نقشہ جات چنگی کے نقائص کے باعث اس کا پتہ لگانا
مشکل ہو گیا ہے کہ مختلف طبقوں پر چنگی کے محصولات کا کیا اثر
پڑتا ہے اور سال بہ سال اس انداز کو صحت کے ساتھ لگانا مشکل
ہو گیا ہے تاہم کاغذات کے بغور مطالعہ سے صاف ظاہر ہو جاتا
ہے کہ شرح تبادلہ کو برقرار رکھتے ہوئے محصولات ساری جماعت
پر متوازی طرح پہ زیادہ ہوتے گئے ہیں۔

زراعتی ملک ہونے کے سبب یوں بھی نسبتاً چنگی کی آمدنی کم ہوتی ہے اس پر بھی "آزادی تجارت" کے اصول نے جو بھی گنجایش موجود تھی اوس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور اس اصول کے اجرا نے[1] محصولات چنگی کی آمدنی کو بیحد گرا دیا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ممالک بھی جن کی صنعت اور تجارت برسر فروغ ہے کس طرح اپنی آمدنی کی خاطر اور دیگر اقتصادی وجوہ کی بنا پر چنگی لگایا کرتے ہیں۔ تو اپنے ملک کی بے بسی اور لاچاری کا اندوہناک اندازہ ہوتا ہے۔ آمدنی کو بڑھانے کے مواقع کے ہوتے ہوئے غیروں کے فائدے کے خیال سے ملک کی آمدنی برباد کی جاتی ہے۔

مختلف ممالک میں برطانوی مال پر چنگی کی کیا شرح ہے[1] اس کو دکھانے کے لئے وہاں کی ایوان تجارت نے ایک نقشہ ۱۹۰۴ء میں تیار کرایا تھا جو ہماری بصیرت کا بہت کچھ سامان

---

1 Wakil's Financial Developement in British India P 442.

فراہم کرتا ہے وہ یہ ہے

نام ملک	چنگی بحساب فی سیکڑہ	نام ملک	چنگی بحساب فی سیکڑہ
روس	۱۳۱	بلجیم	۱۳
ہسپانیہ	۷۶	ناروے	۱۲
جمہوریہ امریکہ	۷۳	پرتگال	۷۱
اسٹریا ہنگری	۳۵	فرانس	۳۴
ارجنٹائن ری پبلک	۳۰	اٹلی	۲۷
جرمنی	۲۵	سوڈن	۲۳
یونان	۱۹	ڈنمارک	۱۸
کناڈا	۱۷	رومانیا	۱۴
نیوزیلینڈ	۹	جاپان	۹
ٹرکی	۸	سوئیزلینڈ	۷
اوسٹریا	۶	ساوتھ افریقہ	۶
چائنا	۵	ہولینڈ	۳
برطانوی ہند	..		۳

نقشہ بالا کے دیکھنے ہی سے صاف ظاہر ہے کہ اِس ذریعہ آمدنی کو کس قدر کم ہاتھ لگایا جاتا ہے جبکہ خود برطانیہ کی نوآبادیات برطانیہ کے مال پر چنگی لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان میں یہ مال محض نام نہاد چنگی پر داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح برطانوی سرمایہ دار کی کھلی طرفداری کی جاتی ہے۔ اشیاء برآمد کی چنگی میں بھی ہندوستان کے فائدے سے زیادہ برطانوی تاجر کا خیال مدنظر ہوتا ہے۔ گیہوں جو ملک میں گراں اور کمیاب ہو جاتا ہے اگر اس کے برآمد پر زیادہ چنگی لگائی جائے تو ملک میں غلہ رُک جائے اور نسبتاً سستا ہو جائے۔ پروفیسر مارشل کا خیال ہے کہ "ایسے[1] ملک میں جہاں غلہ کی نکاسی ہوتی ہو درآمد اور برآمد پر چنگی لگا دینے سے ملک میں اشیا کی گرانی ایک طریقہ سے کم ہو جاتی ہے۔" ہرچند کہ اس سے پیداوار میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ اور لگان کا گھٹ جانا بھی ممکن الوقوع ہے مگر اس قوم کے لئے جس کی غربت کا یہ عالم ہے کہ دو وقت

1. Alfred Marshall's Industry & Trade P. 762.

پیٹ بھر کھانا ملنا مشکل ہے۔ وہاں چنگی غلہ کی رکاوٹ اور ملک میں اوس کے استعمال کا باعث ہوجائے گی۔ ایسی صورت میں حکومت کے فائدہ یا نقصان کے متعلق کچھ کہنا ایک مشکل امر ہے۔ مگر ملک میں غلہ کا استعمال بڑھ جانا یقینی ہے اور قحط کے سدباب کا یہ بھی ایک موثر طریقہ ہو سکتا ہے۔ آزادی تجارت کے سبب سے کم قیمت اشیاء کا فائدہ محض اوس جماعت کو ہوتا ہے۔ جو انگریز اور خوشحال ہندوستانیوں پر مشتمل ہے۔ اور ولایتی کپڑے اور دیگر اشیا کا استعمال شوق سے کرتے ہیں۔ چونکہ اس ذریعہ آمدنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس پر چنگی برائے نام وصول ہوتی ہے تو قدرتاً حکومت کو دوسرے ذرائع آمدنی مثلاً" نمک، مالگذاری وغیرہ پر زیادہ دباؤ ڈالدینا ہوتا ہے تاکہ اس کے اخراجات پورے ہوسکیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیادہ محصولات کا بار ملک کے اوس اقتصادی طبقہ پر پڑتا ہے جو غیر ملکی مصنوعات سے بہرہ مند ہونے کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ان کی کوئی شنوائی ہے علاوہ اس ہلکی چنگی کے جو روا رکھی گئی ہے۔ ایک

دوسرے طریقے کا محصول منوازی بھی وصول کیا جاتا ہے جس سے ملکی اشیاء کے استحفاظ سے زیادہ افزائش آمدنی مقصود ہوتی ہے روئی پر سے وہ محصول جس پر بے حد احتجاج کیا جا رہا تھا ۱۹۲۶ء میں یہ شکل اُٹھا یا گیا۔ مگر یہ اوس وقت ہوا جب ملک کی ایک مفید اور کامیاب صنعت تباہ ہو چکی اور وہ پارچہ بافی کی ایسی صنعت تھی جس میں ہندوستان نسبتاً دوسروں سے زیادہ کامیاب ہو سکتا تھا۔ مسٹر ہولینڈ کے مقولہ کے مطابق " انگریزوں کا اصلی نقطۂ نگاہ ہندوستان کے ذریعہ انگلستان کو تونگر بنانا رہا ہے"[1]۔ اور مزید برآن یہ بھی کہتا ہے کہ " ایک ایسی حکومت ہند جس کا مقصود ہندستان کی بھلائی کے علاوہ اور سب کچھ ہو اور جو حکمراں قوم کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ملک کی اقتصادی ترقی کو روکتی ہو۔ اوس قوم کی نظروں میں جو اس کی محافظت میں چلی گئی ہو۔ شدید دغا بازی کی مجرم ہے"[2] افسوس! کیسے اچھے خیالات ہیں۔ مگر صاحب موصوف ایک مبلغ ہونے کے سبب اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ یہ ظالمانہ اصول

---

1. W.E.S. Holland's The Indian outlook P 156
2. Ibid " P 158.

ہر روز دنیائے سیاست میں برتے جا رہے ہیں۔

حکومت ہند کی صرف اس پولیسی (محصولات برآمد درآمد) اور غیر متوازی محصولات ریلوے نے ہندوستان کی غربت و افلاس کی انتہا کر دی ہے۔ اور یہاں کے غریب ایک انگریزی مثل کے مطابق انگلستان کے فائدے کے خاطر لکڑ ہارے اور پنہارے ہو کر رہ گئے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ اقتصادیات میں پروفیسر مارشل نے اس اصول کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ "جتنا ہی[1] ایک ملک مصنوعات کے درآمد کے بدلے میں خام اجناس برآمد کریگا۔ اوسی قدر قانون تکثیر حاصل کے ماتحت نقصان اور گھاٹے میں ہوگا"

جب ایسے اقتصادی اصول کارفرما ہوں تو ہندوستان کو خوشحالی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

پروفیسر مارشل لکھتا ہے کہ "بین[2] الاقوامی تجارتی پولیسی میں انگلستان کی تمامی نو آبادیات تو اپنے تجارتی استحفاظات کا پورا خیال رکھتی ہیں مگر ہندوستان اپنی کمزوری کے باعث لاچار و مجبور رہے۔ انگلستان کا فرض تھا ہندوستان کے مقاصد کی نگہبانی

1 Alfred Marshall's Industry and Trade P. 764
2. Ibid . . . . P. 653

اس طرح کرتا گویا وہ بھی ادبن کے اپنے ہی مقاصد میں" پھر وہ حاشیہ میں اس کی مزید تشریح کرتا ہے کہ" انگلستان کو اپنے ملکی درآمد پر تا بُن (حفاظتی محصول) کا کوئی استحقاق نہیں ہو سکتا۔ خواہ اپنی صنعت کی حفاظت کے لئے اس کی کیسی ہی ضرورت کیوں نہو جب تک کہ ہندوستانی ملکی صنعتوں کو برطانیہ اور دیگر مغربی ملکوں کے مقابلہ سے محفوظ کرنے کے لئے تابن کا اصول یہاں بھی نہ جاری کیا جائے۔" حقیقت میں یہ ایک اعلیٰ تخیل ہے۔ "دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھو، جو دوسروں سے چاہو" مگر اس زرین اصول پر شخصی زندگیوں میں تو عمل ہوتا ہی نہیں، چہ جائیکہ اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کیا جائے۔

موجودہ قومیت زدہ سیاسی دور میں تو اس کا خیال ہی بیکار محض ہے جبکہ اقتصادی لوٹ کا بازار گرم ہے۔ حیرت زدہ ہو کر رہ جانا پڑتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سنجیدہ اصحاب علم بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی حکمراں کتاب مقدس کے پہاڑی وعظ کو شمع ہدایت بنا کر انھیں اخلاقی اصولوں

پر ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں مسٹر ل ۱ے اپنے خیالات کو نہایت عملی طرح پر پیش کرتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ حکومت ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں ملک کے لوگوں کی بھلائی کیلئے ہوا کرتی ہے مگر ہندوستان میں یہی مقولہ ایک دوسری طرح پر سچ ہو جاتا ہے یعنی ہندوستان پر برطانوی حکومت برطانوی بھلائی کے لئے اور اس عقیدہ کی جھلک مسٹر ہولینڈ کے بیان سے صاف نمایاں ہے کہ "اس وقت[1] تک ہندوستان کی سیاسی ترقی اور اقتصادی بھلائی کو ان خارجی ہاتھوں میں چھوڑنا بالکل غیر محفوظ ہے جب تک کہ ان کی ہندوستان پر حکمرانی کی پولیسی کا دارمدار برطانوی سرمایہ داری اور صنعت کی حفاظت پر ہے" اور اسی سلسلہ میں وہ پھر لکھتا[2] ہے کہ ہندوستان کی اقتصادی حالت اس وقت تک نہ تو طاقت پذیر ہو سکتی ہے اور نہ شاہراہ ترقی پر آسکتی ہے۔ جب تک کہ اس کی سیاسی قسمت کی باگ ایک غیر قوم کے ہاتھ میں ہے" اسی مصنف نے ایک ڈنڈی کے تاجر کی اس گفتگو کو بھی

---

1. WES. Holand's The Indian out book P 162
2. WES. Holand's Indian oponion P 166

نقل کیا ہے جو بہت تھوڑا عرصہ گذرا کہ اوس نے گورنر بنگال سے کیا تھا کہ "یہ پہلے کیا ہی عظیم الشان ملک ہے مگر حسرت اس بات پر ہے کہ اس میں ہنیڈو ہی بستے ہیں" یہ فرنگی بھی کیا ہی نیک انسان ہیں! آزادی تجارت کا اصول دو برابر والی طاقتوں میں تو مستحسن ہو سکتا ہے۔ مگر یہی اصول غیر متوازی طاقتوں کے درمیان کمزور کے استیصال اور نقصان کا موجب ہوجاتا ہے خصوصاً جبکہ مالیہ پر بھی فریق غالب ہی کا دست رس ہوجائے۔ کارآمد اور مفید صنعتوں کیلئے تامین کچھ حدود کے اندر کامیاب ثابت ہوجاتا ہے اور اس سے ملکی صنعت جلد طاقتور ہوکر مقابلہ کے لایق ہوجاتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ خود برطانیہ کی نوآبادیات اپنی قسمتوں کی آپ مالک ہیں اور ہندوستان اپنے اقتصادی سوراج سے محروم کردیا گیا ہے۔ چونکہ وہ لاچار اور بے بس ہے تو ہم آسانی

1. W.E.S. Holand's The Indian outbook P. 161

سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے "شاہی ترجیح" کا اصول بھی محض بے فائدہ بلکہ ضرر رساں ہے اور اس کا مقصد بھی تجارت برطانیہ کی ترجیح کے سوا اور کچھ نہیں۔

محصول آمدنی

دیگر طریقوں کے مقابلہ میں محصول آمدنی کا طریقہ ساری دنیا میں رواج پا رہا ہے اور محصولات کے تمامی طریقوں میں اسے بہت جائز اور مناسب طریقہ تسلیم کیا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسرے قسم کے محصولات سے غربا پریشان ہو رہے ہیں۔ اس محصول آمدنی کے طریقہ سے جس قدر روپیہ وصول ہونا چاہئے تھا نہیں وصول ہوتا بہت قسم کی آمدنیاں اس محصول سے مامون کر دی گئی ہیں۔ انگلستان کے قرضوں کا کروڑوں روپیہ حکومت ہند ہر سال انگلستان کو ادا کیا کرتی ہے اور اس گراں قدر رقم سے محصول آمدنی اس لئے وصول نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے حدود اقتدار سے باہر رکھی گئی ہے۔ ایک ایسا قانون ہونا چاہئے تھا کہ ہندوستان اپنے غیر ملکی مہاجنوں کو سود ادا کرتے وقت اپنے ملکی محصول آمدنی کو وضع کر لیا کرتا۔ مسٹر شاہ اور کھمباٹا کا تخمینہ

حاشیہ پر صفحہ ۹۰ ملاحظہ ہو۔

ہے کہ اس مد سے کم از کم دو کروڑ سالانہ کی آمدنی حکومت ہند کو ہو جاتی۔

آمدنی کا ایک اور ذریعہ جو محصولات آمدنی کی زد سے بچا ہوا ہے وہ بڑے بڑے زمینداروں کی آمدنی ہے جو صرف مداخل (زمینداری) ہی ادا کرتی ہیں۔ بخلاف ترقی کن محصولات آمدنی کے مذکورہ بالا ٹیکس ایک قسم کا تناسبی محصول ہے جو زراعتی آمدنی پر قایم کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہاں پر اصول استعداد ادائیگی پر بھی عمل کرنا چاہیئے۔ ایک درجہ خوشحالی کے بعد ہر آمدنی پر خواہ وہ تجارت سے ہو خواہ زراعت سے، محصولات آمدنی کی تشخیص ہونی چاہیئے اور وہ بھی اس طرح پر کہ ہر ایک آمدنی کی ترقی کی حد پر محصولات کا اوتار ہوتے جانا چاہیئے۔ ماہرین متذکرہ بالا کا خیال ہے کہ اس طرح بھی حکومت کو دس کروڑ سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔

محصول فوتی (Death Duties) سے جسے ہم "سیاہ محصولات"

(حاشیہ متعلق صفحہ) 1. K.T. Shah & Khambata The wealth & Taxable Capacity of India P 277.
2. Ibid „ „ P 278

بھی تعبیر کر سکتے ہیں، ایک ایسا ذریعہ آمدنی ہے جو ابھی تک چھوا بھی نہیں گیا ہے کیونکہ بدیسی تاجروں کی بڑی بڑی املاک جسے ہندوستان میں رہکر وہ حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنی ساری دولت سمیٹ کر انگلستان روانہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے محصولات کی زد سے قطعی محفوظ رہجاتی ہیں یہ ایک خطرناک صورت حال ہے کیونکہ یہ سارے فرنگی سفری پرندے ہیں، اور جس حکومت کے زیر سایہ وہ اپنی ساری دولت جمع کرتے ہیں اوسے وہ بذریعہ محصولات اپنے سرمایہ سے کچھ بھی ادا نہیں کرتے بلکہ اپنا بار ملک کے غربا پر ڈال کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حکومت برطانیہ کے مشورہ سے ایک ایسی اسکیم تیار ہو کہ جس سے اس طرح کی املاک سے حکومت ہند کو اس قدر مالیہ وصول ہوا کرے جس قدر کہ اس کا واجبی حق ہے۔ اس وقت تو ہوتا یہ ہے کہ جو محصولات آمدنی واجبی طور پر حکومت ہند کو وصول ہونا چاہیئے تھا۔ وہ حکومت انگلستان کی نظر ہو جاتا ہے جو اپنے ملک ہی میں وصول کر لیا کرتی ہے۔

نمک کا محصول

ہندوستان جیسے غریب ملک کیلئے محصول نمک کی ناانصافی پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کل رہنمایان ہند نے اس ٹیکس کی سختی سے مخالفت کی ہے یہ ایک ایسی برائی ہے جس سے صرف اقتصادی نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ اخلاقی برائی بھی پیدا ہوتی ہے۔ مسٹر ڈبلیو۔ ایس۔ بلنٹ کہتا ہے کہ "نمک[1] ہندوستان کے غریبوں کی غذا کا سہارا ہے۔ دکھن میں ہر جگہہ زمین پر نمک پھوٹتا ہے۔ مگر لوگ اس فراوانی کے باوجود فطری نعمت سے محروم رہنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان بستیوں سے جب میرا گذر ہوا تو غریب رعیتوں نے اپنی مصیبت یہ بیان کی کہ جب وہ اندھیری رات میں محض مجبوراً اپنے مویشیوں کو نمک چٹانے کے لئے نکالتے ہیں تو محافظین آبکاری مزاحم ہوتے ہیں اور جانوروں کو کائن ہاوس میں ڈال آتے ہیں ان محافظین کو ہدایت ہے کہ نمک کے قدرتی انبار کو برباد کردیں۔ بعض جگہ نمک کی قلت استعمال کے سبب لوگ جلدی امراض کے شکار ہو رہے ہیں۔

1. W.S. Blunt's India under Ripon P. 243.

اور حکومت ہے کہ اس محکمہ سے ۱۲۰۰ سے لیکر ۲۰۰۰ روپیہ فی سیکڑہ منافع حاصل کر رہی ہے اور یہ منافع ہے جو تیاری کی لاگت پر حکومت کو حاصل ہوتا ہے نمک کی آڑھتیں قائم کرنے کا خرچ پوری آمدنی کا بقدر ۳۰ بیسویں حصہ ہے اور اس لحاظ سے یہ انتظام لایق صد ملامت ہے۔ مسٹر ریمزے میکڈونلڈ لکھتے ہیں کہ "محصولات نمک ایک ایسا ظلم ہے جو لوگوں میں بیداری پیدا ہونے کے بعد ان کی بے اطمینانی کا باعث ہو جائیگا اور یہ اس منافع گر کمپنی کی یادگار رہے جس کے عام ظالمانہ اور زر کشی کے اصول سے ہندوستان کے غربا بھی محفوظ نہ تھے" یہ دلیل کسی طرح سے درست اور صحیح نہیں کہ اس ٹیکس سے لوگوں کو حکومت، اور اس کی ذمہ داریوں کا علم اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ملک میں جہالت اور بے علمی کا اس قدر دار دورہ ہے کہ لوگ نہ اسے جانتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں کہ نمک پر بھی ٹیکس ہے اور اگر وہ جان بھی جائیں۔ تو لا حاصل ہے کیونکہ حکومت میں ان کی کوئی مؤثر آواز نہیں یہ استدلال تو ایک جمہوری حکومت کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے جو لوگوں کے سامنے ذمہ دار ہوتی؛

مالگذاری

پس سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی اس ٹیکس کی نامعقولیت ظاہر ہے۔
ایسے محدود مقالہ میں اس مسئلہ پر بحث کرنا کہ آیا آمدنی کا یہ ذریعہ محصول ہے یا "لگان" ایک مشکل امر ہے۔ موافق اور مخالف استدلال کے بیان کے بعد مسٹر بیڈن پویل اپنی یادگار تصنیف میں لکھتا ہے کہ "مالگذاری کی حیثیت لگان کی نہیں ہے" اور پھر تحریر کرتا ہے کہ "یہ آمدنی زرعی آمدنی پر ایک طرح کا محصول ہے۔" خواہ کچھ ہو مگر جان برگ کے خیال کے مطابق جو اس نے اپنی کتاب "ہندوستان کی موجودہ مالگذاری کا اصول" میں ظاہر کیا ہے کہ "ہمارے سامنے اب ایک ہی صورت باقی ہے کہ ہم اپنے اصول کی اس مغالطہ آمیز غلطی کو تسلیم کریں جو یہ بتاتا ہے کہ ہمیں کاشتکار کی بچت آمدنی کو لے لینے کا حق حاصل ہے اور اس کے مخالف کلیہ کو تسلیم کریں کہ جس قدر زیادہ منافع اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اسی قدر قومی دولت اور بدیں وجہ مالیات عامہ کی افزائش کا باعث

1. B.H. Badan Pawell's Land Syslam of British India vol.1. P240. 2. Quoted by Proffessor V.G. Kala Indian Economie P. 807.

ہو جائے گا۔

یہ استدلال کہ مالگذاری کے وصول کرنے پر بھی کاشتکار اپنی زمین آباد کئے جاتا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ زراعت اس کے منافع کا سبب ہے۔ یہ تخیل ایک "معاشی انسان" کے توہم کو قبول کرتا ہے حقیقت میں اس استدلال کو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا جبکہ کاشتکار کے سامنے بھوک مرنے' اور کاشتکاری کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہو۔ اگر کاشتکار کے سامنے زندگی کی اور راہیں کھلی ہوئی ہوں اور وہ ان دوسرے ذرائع آمدنی کے ہوتے ہوئے کھیت جوتنا اور کاشتکاری کرنا پسند کرتا تو متذکرہ بالا اصول لایق قبول ہو سکتا تھا (نہ کہ اسوقت جبکہ کاشتکاری اور موت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہو) جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان بجد قدامت پسند ملک ہے۔ کاشتکار اپنی موروثی زمین سے محبت رکھتا ہے اُسمیں لگا رہتا ہے اور مالگذاری کی سختی کے باوجود بھی اپنی زمین نہیں چھوڑتا ہے نہ تو لوگوں میں تغیر پسندی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا کھلا ہوا پیشہ موجود ہے جو اختیار کیا جا سکے۔ ایسی

صورت میں لوگ مجبور ہیں کہ وہ آدھا ہی پیٹ کھا کر اپنی زمینوں میں لگے رہیں۔ غالباً مسٹر یوسف علی کا یہ خیال صحت پر مبنی ہے[1] کہ حکومت ہند کے حصول مالگذاری کا طریقہ بہتر سمجھے ہوئے اصولوں مگر گمراہ کن طریقہ عمل پر منحصر ہے۔

طریقہ مالگذاری حصص ملک میں مختلف ہے۔ مگر مالگذاری ہر جگہ روپیہ کی صورت میں ادا ہوتی ہے۔ یہ رقوم امکانی پیداوار کے تخمینہ پر تقریباً ۳۰ سال کی طویل مدت کے لئے ایک بار قائم کر دی جاتی ہیں۔ پیداوار شرح بکری سے کسی سال بھی اس کا توازن درست نہیں ہوتا۔ پس خشک سالی میں کاشتکار اپنی مالگذاری کی ادائیگی کے لئے مہاجن سے جو قرض لیتا ہے وہ اس کی مسلم مالگذاری کے تقریباً پچاسویں[2] حصہ سے کم نہیں ہوا کرتا۔ ہر چند کہ برطانوی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس بارہ میں وہ مغل حکومت کے نقش پر چل رہے ہیں مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ شرح محصولات زمانہ قدیم کے جنگی دور کے قائم کئے ہوئے ہیں جب ملک کی حالت اطمینان بخش

1. A Yusoof Ali. The Making of India P. 238.
2. R.C. Dut. India in the Victorian Age. P 12.

نہ تھی۔ ایسے محصولات کو جو حالت جنگ کے لیئے رکھے گئے ہوں مستقل اور پائدار بنادینا گویا ملک کی ترقی کو ہر طرح فنا کردینا ہے مزید براں مغلوں نے ادائیگی مالگذاری میں کاشتکار کو اس کا حق دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق نقد یا جنس جس میں چاہیں ادا کریں اور یہ آزادی ان کے لیئے ایک طرح کا استحفاظ تھا۔ جو نرخ کے اتار چڑھاؤ کے وقت کام دیا کرتا تھا پھر وہ حکومت بھی ایک عربیانہ طرز کی حکومت تھی جو وقت بے وقت معافی بھی دیا کرتی تھی اور کبھی ایسا نہ کرنے پر تباہ بھی ہو جاتی تھی۔ مگر حکومت برطانیہ کا یہ دفتری نظام مشین کی سی صحت اور اسی قدر بے جگری کے ساتھ اسطرح چلتا ہے گویا اس کے پہلو میں نہ دل ہے نہ روح۔ مالگذاری کو بصورت غلہ ادا کرنے میں چونکہ حکومت کا نقصان تھا اسلیئے نہایت ہوشیاری یہ طریقہ اوٹھا دیا گیا اور ادائیگی مالگذاری بصورت نقدی قائم کردیا یہ طریقہ کاشتکار کی دائمی مصیبت اور ہمیشہ قرض میں پڑے رہنے کا سبب ہوگئی ہے۔ کیونکہ اکثر غلہ کے سستے ہونے کے سبب سے زیادہ غلہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس طریقہ ادائیگی مالگذاری

نے کاشتکار کو دائمی قرضوں میں مبتلا کر دیا ہے گذران اوقات کی کوئی ایسی حد نہیں قائم کی گئی کہ جس سے نیچے مالگذاری معاف ہو جائے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ مالگذاری اس کی غربت کی کمائی کی بھی حصہ دار ہو جاتی ہے مسٹر ریمزے میکڈونلڈ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اسے قبول کرتے ہیں کہ "افزائش مالگذاری اور وصولی کی سختی نے لوگوں کو بلاشک مفلوک الحال بنا دیا ہے[1] اور وصولی مالگذاری کی اقتصادی طرح پر مکمل اور درست اصولوں کو ظلم و تعدی کا آلہ بنا کر کاشتکاروں پر سختی روا رکھی گئی جو انکی سخت مخالفت کا سبب ہو گیا ہے" کاشتکاروں کے دائمی مقروض رہنے پر ڈبلیو۔ ایس بلنٹ لکھتا ہے کہ[2] "کاشتکاروں کی ساری مصیبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مالگذاری کی ادائیگی کے لئے اس کو روپیہ کی حاجت ہوتی ہے" اور "یہ موخرالذکر برائی بدترین برائی ہے جو نظام حکومت برطانیہ نے کاشتکاروں کے لئے پیدا کر دی ہے" "ہم لوگوں نے عوام کو قتل و غارت گری کی مصیبت سے تو ضرور محفوظ کر دیا۔ مگر بھوک اور فلاکت کی مصیبت

1. J.R. MacDonald's The Government of India P. 141
2. Radha Kamal's The Rural Economy of India P. 204.

میں مرجانے کے اسباب زیادہ کردئے۔"

کواوپریٹو (امداد باہمی) بنکوں کے ذریعہ سے کاشتکاری کی حالت سدھارنے کی جگہ بہ جگہ کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن اصلی حالت کی درستگی اس میں مضمر ہے کہ کاشتکار سے مالگذاری کا بوجھ کچھ ہلکا کیا جائے۔ جس کے بوجھ سے وہ دبا جارہا ہے۔ پروفیسر راد ھا کمل مکرجی کے تخمینہ کے مطابق ملک میں "پانچ آدمی[1] اپنی خام آمدنی کا ۲٫۵% (چالیسواں حصہ) ادا کرنے سے قاصر ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ۳ ایکڑ قابل زراعت زمین رکھنے والا کاشتکار بغیر کسی خطرہ کے اپنے پرانے قرضوں کا ۲۵% (پچیس فی صدی) سود ادا کرسکے۔

محکمہ آبکاری

غیر ملکی شراب کو محصول جنگی کی فہرست میں لے لینے کے بعد محکمۂ آبکاری کا تعلق محض دیسی شراب اور تاڑی سے رہ جاتا ہے ایک زمانہ سے ہندوستان تمام منشی اشیاء سے یک گونہ مجتنب تھا۔ مگر قربان جائے موجودہ حکومت کی پالیسی کے جسے اپنی آمدنی کے بڑھانے کا خیال ہر وقت دامن گیر رہتا ہے اور بغیر انسانیت

1 Mukerjee; The Rural Economy of India. P. 204.

کا کچھ خیال کئے ہوئے' آمدنی کی افزائش کے جوش میں اس تجارت
کی ترقی اور فروغ کا سبب ہو رہی ہے۔ معاشرتی اصلاح کے
نقطۂ نگاہ سے باوجود مسلسل قومی اختلاف کے حکومت کے سامنے
آمدنی کا سوال مقدم ہی رہا اور جہاں کہیں اختلافاً مجبور ہو کر یہ جتانا
بھی چاہا کہ وہ منشیات کی بکری کو کم کر رہی ہے۔ وہاں غایت
ہوشیاری کے ساتھ ایسے گوشوں کو کھلا چھوڑ دیا جس سے
"غیر ملکی شراب کی بکری بڑھ گئی۔ بمبئی پریسیڈنسی کی انتظامی رپورٹ[1]
(۲۸ - ۱۹۲۷ء) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی شراب
کی بکری بڑھ گئی ہے۔ اور بیر شراب (Bear) نے بڑے شہروں
میں ملکی شراب کی جگہ لے لی ہے" غیر ملکی شراب کی بکری سے حکومت
بمبئی کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ آمدنی چنگی حکومت ہند کے
حصے میں جاتی ہے۔ لاریب غیر ملکی تجارت کے مقابلہ میں بھی
اس محکمہ کی حفاظت و نگرانی روا نہیں رکھی جاتی' جو ترقی آمدنی
کے لحاظ سے اسکا جائز حق تھا اور جسے محض اسی خیال سے اخلاقی

1. Bombay Presidensy Administration Report Part I, P. XVIII

اور معاشرتی نقصان روا رکھ کر چلایا جارہا ہے۔

محکمہ جنگلات کے متعلق حکومت کی پالیسی عموماً لایق تعریف رہی ہے۔ پھر بھی غربا کے ساتھ غیر ضروری سختی برتی جاتی ہے۔ اور ان کی واجبی ضروریات سے بے رحمانہ بے اعتنائی کیجاتی ہے۔ بلنٹ لکھتا ہے کہ ۔ "اجرائے قوانین میں لوگوں کے ساتھ ناروا سختی اور ناانصافی برتی جاتی ہے۔ جس کے نتائج عموماً مصیبت خیز ہوتے ہیں" پھر بلنٹ ہی لکھتا ہے کہ "اکثر ان جنگلاتی) قوانین کے نتائج ہلاکت خیز ہو گئے ہیں۔ کھاد بنانے کے لئے پتے اب جنگلوں میں جمع نہیں کئے جاسکتے۔ چراگاہ کے کم ہوجانیکے سبب سے مویشی بھوک مرنے لگے۔"

"زمانہ نایادگار سے جہاں لوگوں کیلئے لکڑی مفت تھی وہاں اب ایک بوجھا لکڑی کی قیمت بھی ادا کرنی ہوتی ہے" یہ تکلیفیں خواہ کیسے ہی مختصر کیوں نہ ہوں۔ مجموعی طور پر تھوڑی تھوڑی مشکلات مل کر حسرتناک حدتک وسیع اور باوزن ہوجاتی ہیں

1. W.S. Blunt, India Under Repon P. 241-42

اور پیداوار ملکی پر اپنے مضر اثرات ڈالے بغیر نہیں رہتیں۔
اخراجات ریلوے کی بحث میں ہم دکھا چکے ہیں کہ غیر مساوی محصول نے تجارت وصنعت کی نشو ونما کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں مجھے اسی قدر جانچنا ہے کہ آیا ریلوے نے عوام کی پیداآور دولت کو فائدہ پہنچایا یا نہیں، جب تک (Transportation) ذرائع نقل و حمل کی ترقی، معاشی مطالبات کے ماتحت ہوتی رہے گی، غربا کی چلتی تجارت کو نقصان نہیں ہو سکتا، حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت امریکہ کی ریلوے کو وہاں کی موٹر لوریوں کے مقابلہ میں شکست کھا جانیکا خطرہ ہو رہا ہے مگر ہندوستان میں جہاں کی چلتی تجارت ہی اس قدر کافی نہ تھی جو اس وقت کے ذرائع نقل وحمل کو پوری طرح مشغول رکھ سکتی، ریلوے چلا کر وہاں بیل گاڑیوں، اونٹ گاڑیوں، اور دیگر ذرائع بار برداری کو برباد کر دیا گیا۔ اور اسکی بربادی کی وجہ سے جو کروڑوں انسان بیکار ہو گئے جن کے وقت اور محنت کی مشغولیت کیلئے کوئی دوسرا کام نہیں پیدا کیا جا سکا۔ ہندوستان کی اقتصادی درستگی یہاں کی بہتر

موسمی حالت پر بہت کچھ منحصر ہے۔ موسمی بارش کے زمانہ میں یہاں کے کاشتکار زراعت میں مشغول رہتے تھے اُس وقت وہ اپنے بیلوں کو جوتائی اور سینچنے کے کاموں میں مشغول رکھتے تھے اور برسات کے ختم ہوجانے پر وہ انھیں مویشیوں سے بیل گاڑی چلانے کا کام لیتے تھے اور اس طرح بھی اپنی روزی کمایا کرتے تھے مگر ریلوے کی اجرا و توسیع نے ہمارے کاشتکاروں سے اس پُرمنفعت پیشہ کو چھین لیا۔ اور اب سال کے زیادہ مہینوں میں خود کاشتکار اور اوس کے مویشی محض بیکار رہا کرتے ہیں اور اپنے وقت اور محنت کے استعمال سے مزید روپیہ کمانے سے محروم رہتے ہیں اس سے یہ دکھانا ہرگز مقصود نہیں کہ ریلوے بذاتہ ایک بُرائی ہے جو ہر حال میں لوگوں کے معاشی نقصان ہی کا موجب ہوا کرتی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ یہ دکھانا مقصود ہے کہ معاشی دباؤ کے بغیر اس کے اجرا سے جو بے روزگاری پیدا ہوگئی اوس کی جگہ کسی دوسری صنعت نے نہ لی۔ کاشتکار اور بھی دوسرے لوگ جن کا گذارہ قدیم ذرائع نقل وحمل پر تھا اب اپنا وقت بیکاری

یں گذارنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور کاشتکاروں میں پیدائش دولت کی کمی اور ان کے غریب تر ہو جانیکا یہ بھی ایک نمایاں سبب ہو گیا ہے۔

ریلوے کو تجارتی اصول پر اس کے منافع اور نقصان کا جائزہ لیتے ہو چلانا چاہیے۔ ہر گاہ حکومت کو روپیہ ضرور درکار ہے مگر اُس سے پہلے اپنے لایعنی اور مسرفانہ اخراجات کو بند کرنا چاہیے اور خصوصاً صیغہ ملازمین اور محکمہ انتظامی میں ہر ممکن طریقہ سے اسراف کو روکنا چاہیے۔ اس قدر احتیاط اور نگہبانی کے بعد اُوسے اس کا حق ہے کہ وہ آمدنی کے ذریعوں کو بھی اس طرح منتخب کرے جو لوگوں کی پیداوار دولت کے نقصان کا سبب نہ ہوں۔

محکمہ نہر

ہندوستان کے اہم ترین شعبوں میں محکمہ نہر کا بھی شمار ہوتا ہے زرخیز زمینوں اور ساری آبادی کے لئے مزدوری و محنت کل سامان موجود رہنے پر بھی ہندوستان میں قحط کے امکانات کا احتمال موجود رہتا ہے۔ اگر اس عطیہ فطرت کو بے لگام چھوڑ دیا جائے اور ایسا انتظام نہ کیا جائے کہ سیرابی کا نظم وقت اور ضرورت کے لحاظ سے پورا ہو سکے تو ملک کی مجموعی حالت کا اندازہ کرتے ہو

یہ کہا جا سکتا ہے کہ موسمی بارش کم و بیش ہر سال پابندی سی ہوا کرتی ہے تب بھی ہر قطعہ زمین کے مالک کے لئے انفرادی طرح پر لائق اعتماد نہیں ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے زمانہ قدیم سے حاکمان ہند کا فرض اولین توسیع نہر رہا ہے اور وہ اس پر توجہ بھی کرتے آئے۔ شخصی سخاوتیں کوئیں اور تالاب کی تعمیر کا سبب ہوتی رہیں اور حکومتیں دریاؤں کے کنارے پشتے اور بند لگا کر نہر کے ذریعے سے زمینوں کو حیات بخشتی رہیں۔ برطانوی دور میں حکومت کی توجہ ریلوے لائینوں کی توسیع پر رہی مگر محکمہ نہر اس کی بے توجہی اور کم نگاہی پر شکوہ کناں رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اس دور میں تقریباً نصف[1] آباد زمینوں کی سیرابی کا نظم شخصی توجہ اور کوششوں کا مرہون منت رہا ہے۔ ازمنہ قریبہ میں محکمہ نہر کے متعلق حکومت کی پولیسی کچھ قائم ہوتی ہوئی نظر آنے لگی تھی مگر ادھر بھی کاشتکاروں کی اشد ضرورت پر منحصر رکھنے کے بجائے اسوقت تک کیلئے ملتوی کر دی گئی۔ جب تک کہ حکومت اس محکمہ پر کچھ صرف کرنے کے

---

1. K.T. Shah's sixty years of Indian Funance P.294

لایق نہ ہو جائے اور مستزاد یہ ہے کہ دوسرے اخراجات پر اوسے وہ ترجیح نہیں دی جاتی جس کا وہ واجبی طرح پر مستحق ہے

سود

محکمہ ہذا کی تشریح سے جن امور کا انکشاف ہوتا ہے' وہ سطور ذیل میں درج کی جاتی ہیں

درون ہند	رقم لاکھ کی تعداد میں
کورپوریشن اور سٹیٹ کو بصورت قرض	۲۲۷
ریلوے قرض اور مدامانتی	۴۲
تقاوی	۳۱
متفرقات بصورت قرض	۲۹
انگلستان کی رقوم	۳۲۷
	لاکھ ۶۵۶ روپیہ

حکومت کی دیگر دستاویزات کی طرح' اس جگہ بھی بہت سی ضروری معلومات کا پتہ لگانا مشکل اور دشوار رہے اور خصوصاً شرح سود کے متعلق صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا بہرحال تمامی روپیہ پر شرح سود کو مساوی تسلیم کرنے کے بعد یہ بات لایق غور ہے کہ ان روپیوں

کا نصف حصہ انگلستان میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ ہندوستان
کی تجارت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے تباہ حال ہے۔ اور ان رقوم
سے جسے حکومت ہند بمد قرض مخصوص کرلیتی ہے صرف پانچ فیصدی
کی رقم بصورت تقاوی کاشتکاروں کو دی جاتی ہے۔ چند
ماہ ہوئے ایک نامور انجینیر اور ماہر مالیات سر ایم وسویسوریا[1]
(Visvesvaarya) نے پونا کے نوجوانوں کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمارے ملک کے نوجوان یورپ میں تعلیم
حاصل کرنے کے بعد صنعت وحرفت کے اجرا کی کوشش کرتے ہیں
اور اکثر وبیشتر افسوسناک ناکامیوں سے دوچار ہوجاتے ہیں
جس کا سبب سرمایہ کی کمی اور حکومت کی عدم توجہی کے سوا کچھ نہیں
ملکی صنعت وحرفت کے نشو ونما میں حکومت کوئی دلچسپی نہیں لیتی
اور نہ عوام کی آواز اس قدر موثر ہے جو اس پر کچھ اثر ڈال سکے"
سر ہملٹن[2] نے اپنے خاص موثر انداز میں ہندوستان کی
تصویر بدیں الفاظ کھینچی ہے "ہم لوگوں نے ملک کو ایسا

---

1. Sir. M. Visvesooraya's; The country's immediate needs, Mysoor Economic journel. Vol XIV. Sept 1928. P. 419
2. Sir. J. Hamillon's; India: Her present and future calcutta Revied. July 1919- R 295

ریلوے نظام عطا کیا ہے جو خام اجناس کے برآمد کا موجب ہو گیا ہے مگر کوئی ایسا نظم نہیں قائم کر سکے جو کاشتکاروں کے لین دین اور ان کی اشیا کی قیمتوں کے وصول ہونے میں سہولت پیدا کر دیتا۔ اس وقت حال یہ ہے کہ ساری دنیا ملک کے خام اجناس کو خریدے جاتی ہے۔ ساہوکار اور تاجروں کو روپیہ ہاتھ آتا ہے اور کاشتکاروں پر فقر و ناداری کے شیاطین کا سایہ ہو جاتا ہے"۔ جبکہ حکومت کی نظریں فوائد ملکی کے علاوہ دیگر چیزوں پر لگی رہتی ہوں تو سوائے اس کے کہ ملک پر افلاس سایہ فگن رہے۔ اور کیا ممکن ہو سکتا ہے؟

فصلِ ششم

قرضجات عامّہ

اشخاص اپنے آمد وخرچ کا توازن درست رکھنے کے لیے اوسی وقت قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں جب انھیں اپنی آمدنی کے بڑھانیکا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ دراں حالیکہ حکومت کو ٹیکس لگانیکا حق محض اس لیے عطا ہوتا ہے کہ ملک کے واجبی اخراجات کے مطابق روپیہ آسانی سے وصول ہوجاسے۔ اگر کوئی سال حکومت کو کسی غیر معمولی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے مثلاً ملک جنگ میں مبتلا ہوجاسے تو ایسی حالتوں میں وہ قرض بھی لے سکتی ہے، اور سوائے اُن ملکوں کے جن کا اعتبار اور ساکھ بالکل ہی ضائع ہوچکا ہو۔ کسی شعبہ آمدنی یا اثاثہ ملکی کو رہن رکھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ حکومتیں قرض لیتے وقت اپنے کسی اثاثہ کو اجارہ بھی کردیتی ہیں۔

بہر حال ایک حکومت کی عقلمندی اسی میں ہے کہ وسائل آمدنی کی توسیع کیلئے اثاثہ پر برائے اخراجات اصل، روپیہ حاصل کرے اور پھر اوسی ترقی شدہ شعبہ آمدنی سے اُسے رفتہ رفتہ وصول بھی کر دے۔ ایک دوسرا اور زیادہ بہتر طریقہ یہ بھی ہے کہ ملک کے سرمایہ بیکار کو جو تھوک سونے' زیورات' یا مخزونہ رقموں کی صورت میں لوگوں کے پاس پڑا ہو کم شرح سود پر حاصل کیا جائے اور اُسے حکومت کے وسائل آمدنی کی ترقی میں اسطرح لگایا جائے کہ تھوڑی مدت کے اندر ہی روپیہ کچھ منافع کے ساتھ لوگوں کو واپس ہو جائے۔ خواہ اخراجات اصل کے لئے ہوں یا غیر معمولی' جب بھی قرض لیا جائے' اس کی اہمیت جتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ قرض بہرحال اوسی ملک کے فایدے کیلئے لینا چاہئے جو اس کی ادائگی کا ذمہ دار ہے جب نمایندگان قومی ایسے قرضوں کو لیا کرتے ہیں تو اُسے "قومی قرضہ" کہا جاتا ہے اور جب اسی بار کو کوئی غیر ذمہ دار حکومت اُٹھاتی ہے تو اُسے "قرضہ عامہ" یا "قرضہ حکومت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

صدی، دو صدی پہلے "قرضہ عامہ" کی نوعیت کا قرض کسی ملک میں بھی رائج نہ تھا۔ نہ لوگ اِسے جانتے تھے مشکلات کے وقت سلاطین و حکام اپنے چھپے ہوئے خزانوں کو صرف میں لایا کرتے تھے۔ یہ فن مالیات جدید کی ترقی اور اثر آفرینیاں ہیں، جو تجارتی اور ملکی معاملات میں قرضوں کے بے حساب افزونی کا سبب بن گئی ہیں۔

ہندوستان میں، برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے "قرضہ عامہ" کا کہیں وجود نہ تھا۔ کوئی والیٔ ملک اگر کبھی قرض لیتا بھی تو وہ اس کا ذاتی فعل متصور ہوتا اور رعایا کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ لارڈ کلایو کے زمانہ میں جب ہندوستان کا ایک خطہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آ گیا، تو اس وقت بھی سوائے چند انتظامی اختیارات کے کمپنی محض ایک تجارتی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا سارا کام حصول منافع کے نقطۂ نگاہ پر چل رہا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی دولت یعنی اس کے زر اصل کا سیلاب رواں ہندوستان سے انگلستان کی طرف بہنا شروع ہو گیا۔

ملک کو قرضے کی ضرورت اُس وقت بدیں وجہ نہ ہوئی کہ اُس دور جاگیرداری میں کمپنی کو لوٹ اور غارت گری سے اس قدر روپیہ وصول ہو جاتا تھا جو اس وقت کے ملکی انتظامات کے لئے کفائت کر جاتے تھے۔ تاریخ کا یہ دور انگلستان کے مالی دور ابتری کی شہادت دیتا ہے۔ بقول بُرُوک اڈم[1] ۱۷۵۰ء کے زمانہ میں انگلستان کی صنعت آہنی رو بہ انحطاط تھی۔ جنگل کٹ چکے تھے لوہا سویڈن سے لایا جاتا تھا۔ ۱۷۶۰ء سے پہلے سوت کاتنے کی مشین جو لنکاشایر میں مستعمل تھی وہ اپنی سادگی میں ہندستانی چرخہ سے مشابہ تھی" غرض اُس وقت موجد بہت تھے۔ مگر وہ سرمایہ جو ہر ایجاد کو رائج و چالو کر دیا کرتا ہے ملک میں موجود نہ تھا یہ سچ ہے کہ انسان کا دل سوچ سکتا ہے اور دماغ ایجاد بھی کر سکتا ہے مگر جب تک خیالات کو صورت عمل میں لانے کیلئے ہاتھ سے مدد نہ مل جائے" ساری کاوشیں بیکار و عبث ہوں گی اسی طرح وہ سرمایہ جس نے انگلستان کی ایجادات کو فروغ دیا جنگ پلاسی

1. Adam's Law of Civilization and Decay P 313

کے بعد ہی سے وہاں پہنچنا شروع ہو گیا۔ جنگ پلاسی کے بعد کی
حالت میکالے اس طرح لکھتا ہے کہ "دولت کی وہ موسلا دھار
بارش جو کمپنی اور اس کے ملازمین پر برسی اس کا کچھ حد و حساب نہ تھا
جنگ کے بعد آٹھ لاکھ پونڈ زر نقد مرشد آباد سے کلکتہ روانہ کیا
گیا اور وہ کلکتہ جس پر کبھی فلاکت و ویرانگی برستی تھی۔ اب اپنی
آبادی اور چہل پہل میں حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا ملازمین کمپنی کے
گھروں پر فراوانی دولت کے آثار ہویدا تھے۔ رہا خود لارڈ کلایو
تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی طبع معتدل کے سوا اس کے فراوانی دولت
کا اندازہ ممکن نہیں"[1] اس "بانی سلطنت" کلایو نے ہندوستان کو
لوٹنے اور انگلستان کو سرمایہ فراہم کرنے کا خوب ہی استحقاق حاصل
کر لیا تھا اب انگلستان کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ صنعت و ایجادات میں
حیرت انگیز ترقی شروع ہو گئی۔ جنگ پلاسی کے صرف تین سال بعد کپڑے
بننے میں کیپٹ کل (Flying shuttle) کا استعمال شروع ہو گیا
چوتھے ہی سال پھر ہرگریو کا Hargreaves جدید کرگھہ جاری
ہو گیا۔ ۱۷۶۸ء میں مسٹر واٹ Watt نے انجن ایجاد

1. Essay on Lord Clive Vol III P 240

کیا۔ ۱۷۶۹ء میں کرومٹن Cranton نے ایک نئی سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی اور آخر کار ۱۷۸۵ء میں کپڑا بننے کی مشین بھی مکمل اور پٹینٹ ہو گئی یہ ہے انگلستان کے تجارتی انقلاب کی سرگزشت جس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کا اقتصادی دور انحطاط بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے براہ راست اور بالواسطہ لوٹ و غارتگری سے جو سرمایہ فراہم ہو تا رہا وہی انگلستان کے ایجادات و مخترعات کے ترقی اور توسیع کا موجب ہو گیا۔

اس رہتی دنیا کے قیام سے اس وقت تک شاید ہی کسی سرمایہ نے اس قدر منافع دیا ہو جس قدر کے ہندوستان کے لوٹ اور غارتگری سے انگلستان کو حاصل ہوا کیونکہ اس کے بعد کامل پچاس سال تک کوئی بھی اسکا مقابلہ نہ کرسکا "برگ کا بیان ہے کہ ۱۷۵۰ء میں سارے انگلستان میں ۱۲ عدد مہاجنوں کی کوٹھیاں بھی نہ تھیں مگر حالات اس قدر متغیر ہوئے کہ ۱۷۹۰ء میں وہاں کے ہر بڑے کوچہ و بازار میں بنک قائم ہو گئے تھے اور لین دین کا بازار

1. Brook Adam's Law of Civilization and Decay P. 317.

گرم تھا۔" گویا بنگال کے چاندی نے نہ صرف زر کی مقدار کو بڑھایا بلکہ رفتار تجارت میں بھی غیر معمولی سرعت پیدا کردی اور آخر ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ۱۷۵۹ء میں بنک نے ۱۰ اور ۱۵ پونڈ کے نوٹ جاری کئے اور ملک کے تجارتی کوٹھیوں سے یہ سیلاب خوب بہایا گیا۔ پلاسی اور واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں تقریباً ... ا میلین پونڈ (یعنی ایک ارب پونڈ) ہندوستان سے انگلستان کے بنکوں میں منتقل ہوگیا اور حقیقت میں اس زرکثیر کی صحیح مقدار اور زیادتی کا اندازہ کرنا ہی دشوار ہوجاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت کے روپیہ کی طاقت خریداری بہت ہی بڑھی ہوئی تھی اس امر کا مطالعہ بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ ۱۸۱۵ء میں حکومت انگلستان کا "قومی قرضہ" ۸۶۱ میلین پاؤنڈ (چھیاسی کرور دس لاکھ پاؤنڈ) تھا۔ جو ہندوستان کے پچاس سالہ لوٹ کی مقدار سے بدرجہا کم ہے۔

مذکورہ بالا حالات کے ماتحت جب تاج برطانیہ کا نمائندہ،

---

1. William Digby's Prosperous India P. 33.

(ایسٹ انڈیا کمپنی) اس قدر زر کثیر بلا تکلف انگلستان روانہ کرتا رہا۔ تو خود ہندوستان میں قرضہ عامہ کے پیدا ہونے کا سوال کیونکر اُٹھ سکتا تھا۔" بانیانِ سلطنت" کے ان بے غیرتی کی لوٹ کے علاوہ جو جاری تھیں، کچھ پُر پیچ اور بالواسطہ صورتیں بھی ایجاد کی گئیں جس رُو کر ایک خوشنما پوشیدگی کے ساتھ ہندوستان کا روپیہ انگلستان منتقل ہوتا رہا۔ زیر حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی جو محاصل وصول ہوتے تھے، بجائے محصول دہندوں کے مفاد پر خرچ کرنے کے، اس سے مال تجارت خرید کر انگلستان روانہ کیا جاتا تھا۔ اور اس طرح غریب ہندوستانی اپنے ثمرات محنت کے فوائد سے محروم ہو جایا کرتے تھے۔ محصولات آمدنی کی وہ کثیر رقم جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۲ء تک یعنی کامل ۱۹ برس اسی طرح کمپنی کے تجارتی کاروبار میں صرف ہوتی رہی اس کا تخمینہ ۱۳ ملین پاؤنڈ (ایک کروڑ تیس لاکھ پاؤنڈ) کیا گیا۔

آخر انگلستان نے اس علانیہ لوٹ کا ایماندارانہ طریقہ چھوڑا اور خام اجناس کا انتقال بھی اُسے دشوار معلوم ہوا تو پھر اُن کے

ماہرینِ اقتصادیات نے روپیہ کی وصولی کا اور ہی کارگر طریقہ ایجاد کیا یعنی انگلستان نے اپنے سیاسی اور استعماری جنگوں کے اخراجات کو ہندوستان کے سر دے مارا اور اس کے نام پر بصورت قرض ڈال کر لگے ہندوستان سے وصول کرنے۔ غرض پیداوار دولت کا جو بہاؤ انگلستان کی طرف جاری تھا وہ بدستور قائم رہا۔ اور ہندوستان اپنے ثمرات محنت سے محروم ہوتا ہی رہا۔ غرض ہندوستان کی بچت آمدنی کو ہمیشہ وصولی قرضہ میں دکھا کر انگلستان پہنچا دیا جاتا رہا۔ اور ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ "قرضہ عامہ" کی کثیر رقم اسی طرح کی غیر منصفانہ اور لایعنی اندراجات سے پُر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی نہ کوئی قومی حکومت ہے اور نہ اسکا کوئی "قرضہ قومی" ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء تک کا حساب جو حکومت ہند نے شائع کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرضہ حکومت کی مقدار ایک ہزار کروڑ روپے (یعنی دس ارب) زیادہ ہے۔ حکومت نے اس کی تفصیل بھی اس طرح دکھائی ہے۔

قرض جو ہندوستان میں وصول ہوا

قرض :- ۳۶۸،۲۹ .... کروڑ

سرکاری ہنڈیوں کی بکری سے ۴۹،۶۵ .... //

۴۱۷،۹۴

زر امانتی
سونگ بنک ڈاکخانہ } .... ۹۴،۵۵

وہ قرض جو ہندوستان کے لئے
انگلستان میں فراہم ہوا۔
بشرح ۱/۴ فی روپیہ ۲۹،۵۱۳ //

میزان ۱۰۲۵،۰۰ کروڑ روپیہ

ہنڈیوں اور سنہ رواں کے مطالبات سے قطع نظر کرنے کے بعد حکومت نے قرضوں کی تقسیم دو طرح پر کر دی ہے

پیدا آور :- ۱۸،۷۳۶

ناپیدا آور :- ۲۲۱،۸۸

میزان ۹۵۹،۰۶ کروڑ روپیہ

پھر اس کی بھی مزید توضیح و تشریح دکھائی گئی ہے اور پیدا آور

مد کی مزید تفصیل اس طرح کی گئی ہے:۔

محکمہ	ریل	۶۲۶ر۰۶
ر	نہر	۹۶ر۰۴
ر	تار و ڈاک	۱۳ر۰۰
ر	جنگل و نمک	۲ر۰۰
		۷۳۷ر۱۸

بہرحال مذکورہ بالا اعداد و شمار سے اگر کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے تو اسی قدر کہ حکومت اپنی آمدنی سے تقریباً دس ارب (ایکہزار کروڑ روپیہ) (دس ارب) زیادہ خرچ کر چکی ہے۔ اس کے بعد جسقدر بھی حسابات میں توضیح اور تفصیل دکھائی گئی ہے وہ محض ناقابل اعتبار اور وضعی ہیں۔ نہ کوئی قرض ہندوستان کے آمدنی کو ترقی دینے کے لئے لیا گیا۔ اور نہ اخراجات کے حساب کی جانچ سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ حکومت نے مدات کی جس قدر تقسیم اور اس کے مقابل رقم کی مقدار دکھائی ہے وہ سب محض خیالی اور وضعی ہیں حتیٰ کہ پیدا آور اور ناپیدا آور مدات کی رقمیں بھی

گھٹتی بڑھتی رہی ہیں اور وہ اس طرح کہ اکثر و بیشتر ملک کی بچت آمدنی کو ناپید آور اور قرض کی ادائیگی میں دکھا کر غائب کر دیا گیا ہے۔ اور اہل ملک پر ان وضعی تقسیموں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ قرضے ملک کی فلاح اور بہبودی میں صرف کئے گئے ہیں مگر ان فرضی حسابات کا پردہ چاک کرنے کے بعد یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ یہ سارے قرضے حکومت کے مصرفانہ اخراجات کا آئینہ ہیں اور ہر گھاٹے اور خسارہ کو قرض سے پورا کیا جاتا رہا ہے۔ بہرحال ان حقایق کے آشکار ہو جانے کے بعد تحقیقات کا دائرہ اسی حد تک محدود ہو جاتا ہے کہ حکومت کے کون کون سے مصرفانہ اخراجات نے ملک کو مقروض بنا دیا اور جیسا کہ صفحات ماقبل میں بتایا جا چکا ہے ان اخراجات کی نوعیت اگر کچھ بھی ہو سکتی ہے تو صرف دو ہی ہو سکتی ہیں یعنی:-

(۱) اخراجات اصلی (۲) اخراجات غیر معمولی

اگر اخراجات اصلی یا غیر معمولی ملک اور اہل ملک کے فائدے کیلئے کئے گئے ہوتے تو اس کا بار یقینی اہل ملک کو برداشت کرنا چاہیے تھا

ورنہ پھر ان اخراجات کا مسترد کرنا ہی مقتضائے انصاف ہے، ایسے مصرفانہ اور مسترد شدہ اخراجات کا اگر میزان لگایا جائے تو اس کی مقدار بھی موجودہ حکومت ہند کے "قرضہ عامہ" کے برابر یا اس سے کچھ ہی کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ لاریب ملک کی آمدنی اس قدر کافی تھی کہ معمولی یا غیر معمولی اخراجات کی کفالت کر سکتی تھی مگر جب اخراجات کا مقصد ہی کچھ اور ہو تو جتنی بھی آمدنی ہو گی ناکافی ہی ہو گی۔ ملک کی آمدنی کو حکومت ہند نے بے دریغ صرف کیا اور ملک کو بلا ضرورت مقروض بنایا پھر بجٹ آمدنی کو نا پیدا آورہند کے قرضوں کی وصولی میں دکھایا گئے۔ اگر اس طرح سے ناجائز اخراجات کو مسترد کرنے کے بعد حساب لگایا جائے تو اس کی مقدار بھی دس ارب روپیہ سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔ بہر حال انصاف بھی چاہتا ہے کہ وہ تمامی رقوم جس کا ہندوستان کے مفاد سے کچھ بھی تعلق نہ ہو وہ اس قوم اور ملک کے ذمہ ڈال دیجائے جو اس سے صحیح طرح پر مستفید ہوتی رہی۔

آخری کراچی کانگریس نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت ہند کے

مالی لین دین اور قرضہ عامہ کے تحقیقات کے لئے ایک منتخبہ کمیٹی مقرر کی کہ صحیح طرح پر یہ معلوم کرے کہ کس قدر رقوم ہندوستان کے مفاد پر صرف ہوئیں اور قرضوں کی کس قدر رقوم غلط خرچ اور غلط اندراج کے سبب خود انگلستان کے ذمہ ڈالنی چاہئے"

اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں مندرجہ ذیل اخراجات کو قابل اعتراض ٹھہرا کر مسترد کر دیا ہے کیونکہ اس کے خیال میں ان کاموں سے ہندوستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

اخراجات کی نوعیت	رقوم کروڑوں کے حساب میں
۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی غیر ملکی جنگ جو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہوئیں	۳۵
۲۔ کمپنی کے سرمایہ پر سود ۱۵/۱۳۰	۵۰/۱۲۰
۳۔ غدر ہند کے اخراجات ۱۸۵۷ء	۴۰/۰۰
۴۔ کمپنی کے سرمایہ پر سود ۱۸۰۴ء	۱۰/۰۰
۵۔ کمپنی کے حصص کی قیمت جو ہندوستان کے خزانہ سے ادا کی گئی	۱۲/۰۰
	۲۲/۰۰

اخراجات کی نوعیت		رقوم کروڑوں کے حساب میں
۶ غیر ملکی جنگوں کے اخراجات		
۱۸۵۷ء لغایت سنہ ۱۹۰۰ء	۲۷،۵۰	
۷ عطیہ جنگ جو جنگ عظیم کے موقع پر...		
سنہ ۱۹۱۴ء لغایت سنہ ۱۹۲۰ء ہندوستان		
سے وصول ہوا	۷،۰۰ ۱۷۰،۰۰	۳۹۷،۲۰۰
۸ سنہ ۱۸۵۰ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک جتنی رقم	۲۰،۰۰	
برہما پر صرف ہوئیں۔	۸۲،۰۰	۱۰۲،۰۰
۹ کونسل بل کی بکری کے نقصانات		
سنہ ۱۹۱۶ء لغایت سنہ ۱۹۲۱ء	۳۵،۰۰	
۱۰ ریلوے کے خریداری کی رقوم		
سنہ ۱۹۱۶ء لغایت سنہ ۱۹۲۱ء	۵۰،۰۰	
۱۱ جنگی مصلحتوں کی بنا پر ریلوے		
کی تعمیرات کا خرچ	۳۲،۰۰	۷۲۹،۴۰

کروڑ روپیہ

مندرجہ بالا لایق مسترد شدہ حساب میں فوجی اخراجات کی وہ رقوم مندرج نہیں ہیں جسے بھی کمیٹی کے ایک ممبر کی رائے میں مسترد ہونا چاہیئے ممبر ندکورنے ایک علیٰحدہ نوٹ میں یہ دکھایا ہے تقریباً ۱۳ ،۲۰۴ ۵ کرور روپیہ فوجی اخراجات کے حساب میں انگلستان ہندوستان کو ادا کرے۔ یہ مطالبہ بھی ہندوستان کی مجموعی فوجی اخراجات کا بقدر چوتھائی ہے۔ اور اس رُو کر بہت ہی اعتدال اور نرمی پر منحصر ہے حالانکہ خود مسٹر ریمزے میکڈونلڈ کا خیال ہے کہ چونکہ ہندوستان کی نصف فوج ہمیشہ شاہی مقاصد کے پورا کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اس لیے کم از کم نصف فوجی خرچ انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔

ان ناروا اخراجات کے سبب جو قرض ہندوستان پرڈالا گیا اس کا سود بھی ہندوستانی محصول دہندہ کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ رپورٹ نے اسکی واپسی کا کوئی سوال نہیں اُٹھایا ہے مگر ایک ممبر نے اپنے نوٹ میں یہ دکھایا ہے کہ قرضہ عامہ کے دس سو پچاس کروڑ روپیہ میں ۵۳۶٫۰۲ کروڑ کی رقم وضع کردینی چاہیئے جو بصورت

سود وقتاً فوقتاً ادا ہوتا رہا ہے۔ بنابریں ان رقومات کی تفصیل جو ناروا اور لایق مسترد ہونے کے باعث ہندوستان کو واپس ملنی چاہیے یہ ہوتی ہے:-

۱۔	وہ رقوم جس سے ہندوستان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا اور جس کی تفصیل صفحات ماقبل میں درج ہے	۷۲۹ر۴
۲۔	فوجی اخراجات کا وہ حصہ جسے انگلستان کو بھی ادا کرنا چاہیے بمطابق تفصیل ماقبل	۵۴۰ر۱۳
۳۔	سود کے وہ رقوم جو بوجہ ہندوستان نے ادا کئے	۵۳۶ر۰۲
		۱۰۵۰ر۵۵ کروڑ روپیہ

لاریب یہ مبلغ ½ ۱۰۵۰ کروڑ روپیہ کا بار جو ناحق ہندوستان کے مفلوک الحال محصول دہندوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اُسے فی الحقیقت انگلستان کو برداشت کرنا چاہیے۔ یہ سارے اخراجات انگلستان کے استعماری جنگوں اور اس کے شاہی پولیسی برقرار رکھنے کے لیے اُٹھائے گئے یہاں تفصیلی بحث کی کوئی گنجایش نہیں۔

مزید معلومات کے لئے ناظرین کانگریس کی رپورٹ متعلق قرضہ جات کا مطالعہ کر سکتے ہیں یہاں مختصراً ہمیں اس قدر دکھانا ہے کہ ان ناروا قرضوں کے سبب ہم لوگوں کو تقریباً ۵۰ کروڑ روپیہ سالانہ محض سود ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

ہندوستان کے اس مسلسل مصیبت کو ایک واضح مثال دیکر مسٹر ریمزے میکڈونلڈ یہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان کروڑوں کی چیزیں اپنے ملک سے باہر اس لئے نہیں روانہ کرتا کہ اپنی ضرورت کی اسی قدر بہم قیمت اشیا اپنے ملک میں منگوائے بلکہ یہ چیزیں باہر اس لئے چلی جاتی ہیں کہ اسے اپنا قرض اور سالانہ سود ادا کرنا پڑتا ہے"[1] جون اسٹورٹ مل کہتا ہے کہ "وہ ملک جو ہر سال اپنی دولت کا ایک حصہ دوسرے ملک میں بھیج دیا کرتا ہو۔ اپنی رقوم کھونے کے علاوہ کچھ اور بھی نقصان اٹھاتا ہے یعنی اسے اپنی اشیا بھی کچھ گھاٹے سے دیدینا ہوتا ہے" پھر اس ملک کی زبون حالی کا پوچھنا ہی کیا جس کے مالیات، کرنسی، اور شرح تبادلہ

1. J. R. MacDonald's The Govt of India p. 149

کے قائم کرنے کا حق سب کچھ اس کے مہاجن کے ہاتھ میں ہو۔ ہندوستان کی شومئی قسمت سے برطانوی قبضہ کے بعد سے ہندوستان کا یہی حال رہا۔ اور جس قدر رقمیں ہندوستان سے وصول ہوئیں اس کا کوئی مفید اور مناسب بدل اس کو نہیں ملا۔ بلکہ ان چھوٹی اقتصادی زنجیروں سے اس کی آزادی کو بعید اور موہوم بنا دیا گیا ہے۔

بہرحال اگر ہندوستان کو اپنی کھوئی اقتصادی طاقت حاصل کرنا ہے اور دنیا کی تجارت میں برابر کا حصہ دار ہوتا ہے تو اسے ان ہلاکت آمیز زنجیروں کو توڑنا ہوگا۔ اور اپنے تمامی اقتصادی نقصان کا معاوضہ بھی وصول کرنا ہوگا۔

وہ فوجی اخراجات جن کا بار ہندوستان کو اٹھانا پڑ رہا ہے اس کے متعلق مسٹر ریمزے میکڈونلڈ تحریر کرتا ہے کہ "بلا شک[1] اس بارہ میں ہندوستان کے ساتھ صریح ناانصافی روا رکھی گئی ہے اور اسے ایسے جنگی اخراجات کے برداشت کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جو محض برطانوی شاہی مقاصد کے لئے لڑی گئیں۔

1. J. R. MacDonald's Govt of India P. 154

"جب ہمیں اپنی افواج کسی ضرورت سے مملکت برطانیہ کے[1] مختلف نوآبادیات میں رکھنا پڑتا ہے تو اس کا خرچ وہ مقامی حکومتیں برداشت نہیں کرتیں۔ بلکہ تمامی اخراجات کا بار خزانہ برطانیہ پر رہتا ہے۔ مگر جب یہی فوجیں ہندوستان میں رکھی جاتی ہیں تو یہاں ہمارا آہنی ہاتھ اخراجات آسانی سے وصول کر لیتا ہے کمپنی اپنے دور حکومت میں افواج انگلستان سے "عاریتاً" منگوائی اور نہ صرف اس کے قیام کے اخراجات بلکہ اس کے آمد و رفت کا خرچہ بھی ادا کرتی تھی۔ کمپنی کی حکومت کے بعد تاج برطانیہ نے بھی اسی طریقہ کو جاری رکھا۔ کیونکہ یہ ایسا چلتا افسوں تھا جس سے اپنا مقصد پورا ہونے کے ساتھ ساتھ خزانہ برطانیہ کو مفت کی رقم بھی ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک کمیشن ۱۹۰۰ء میں مقرر ہوا تھا جس نے ان ناانصافیوں پر توجہ دلائی اور اس کے سفارشات کی وجہ سے صرف اس قدر ہوا کہ برطانوی افواج کی آمد و رفت کا نصف خرچ مبلغ ایک لاکھ تیس ہزار پاؤنڈ (۱۳۰۰۰۰) اور عدن

1. J. R. MacDonald's Govt of India P. 155.

کے فوجی اخراجات کا مبلغ ایک لاکھ پاؤنڈ (۱۰۰,۰۰۰) انگلستان نے دینا منظور کر لیا اس کے تمامی سفارشات کا بس اسی قدر نتیجہ نکلا ورنہ انگلستان کے استعماریت کا شاہی بار جس طرح ہندوستان اُٹھائے تھا اُٹھائے رہا۔ ہمارے حکمرانوں کے طریقے بھی عجیب دلکش ہوتے ہیں۔ پہلے تو ہندوستان کو ایک الگ آزاد حکومت کا روپ پہنایا۔ پھر خود ہی اپنی افواج "عارتیاً" عنایت کرتے رہے اور خود ہی اخراجات بھی وصول کرتے رہے حالانکہ حقیقت میں ہندوستان کے حکمراں بھی وہی تھے اور اسکے سارے جنگی اور سیاسی پولیسی بھی انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اس ہیر پھیر کے ساتھ اخراجات کے وصول کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک خوبصورت مگر ظاہرا پوشیدہ طریقہ سے روپیہ وصول ہوتا رہے" پھر بیرونی سیاست پر مسٹر میکڈونلڈ اس طرح اپنے خیالات ظاہر کرتا ہے کہ "ہندوستان کے ناروا اخراجات کے سدباب کے لئے سنہ ۱۹۰۰ء کے مالی کمیشن نے جس قدر سفارشیں کیں اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ابیسینا مہم روانہ کی گئی" سرحد کی جنگ ہوئی"

ملک ہی میں بہت جنگ آزمائیاں ہوئیں جو برہما اور دیگر صوبوں کے الحاق کا سبب ہوئیں۔ اور ان ساری نبرد آزمائیوں کے اخراجات ہندوستانی محصول دہندوں کو اُٹھاتے پڑے افغانستان کی جنگ میں جو دو کرور دس لاکھ (۲۱۰۰۰۰۰۰) روپیہ کا خرچ ہوا، اس میں صرف پچاس لاکھ روپیہ (۵۰۰۰۰۰۰) انگلستان سے وصول ہو سکا۔ بہر حال جب یہ تمامی لڑائیاں برطانوی شاہی مقاصد کے لئے لڑی گئیں تو پھر ان صرفوں کو ہندوستان کے سر ڈالنا کہاں کا انصاف ہے۔ مسٹر گوکھیل انھیں حالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔ انگلستان نے اپنے شاہی مقاصد کے لئے ہندوستانی افواج کو چین، ایران، ابیسینیا اور دیگر جنگی مہموں پر بھیجا، اور اس کا سارا خرچ ہندوستان کو برداشت کرنا ہوا۔ الا یہ کہ کبھی کسی غیر معمولی موقع پر کچھ صرف کر دیا ہو۔ مگر جب ہندوستان کے کسی مفروضہ ضرورت پر انگلستان سے افواج "عاریتاً" روانہ کی گئیں تو نہ صرف آمد و رفت کا خرچہ بلکہ اُس کے بہتری کے اخراجات بھی ہندوستان کو ادا کرنے پڑے۔ جب ۱۸۴۶ء میں سندھ پر

فوج کشی ہوئی اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر حملہ کیا گیا۔ یا پھر غدرِ ہند
کی مہم ۱۸۵۷ء میں سر کی گئی تو ان تمامی موقعوں پر برطانوی افواج
کا سارا خرچ وصول کیا گیا۔ کمیشن مذکور نے بہت سی ایسی ناانصافیوں
پر توجہ کیا تھا۔ مگر بغیر اس طاقت کے جو صرف حکومت خود اختیاری
ہی سے حاصل ہو سکتی ہے' ان ناانصافیوں کا کوئی سدباب نہیں
ہو سکتا۔" محکمۂ دیوانی یا انتظامی میں بھی متعدد اخراجات اس قدر
قابلِ اعتراض ہیں کہ اُسے محض صرفہ کے تناسب جانچنا نہیں چاہیے
وزیرِ ہند کے دفتر کے اخراجات ہندوستان سے وصول کیے جاتے
ہیں۔ مگر دفتر نوآبادیات کے اخراجات انگلستان ہی برداشت
کرتا ہے۔ وزیرِ ہند کے دورے اور شاہی دوروں کا خرچ
ہمیشہ ہندوستان ہی پر ڈالا گیا۔ اور میزانیہ حکومت ہند میں تو اب
یہ رقم چالیس لاکھ پاؤنڈ تک پہنچ چکی ہے۔ میزانیہ ہند میں ان اخراجات
کا قائم رہنا ہم لوگوں کے لیے انتہا پست اور ذلت انگیز ہے۔"
" اخراجاتِ ہند کا ایک اور مسئلہ اپنی نقصان رسانیوں کے
باعث ہمارے سخت توجہ کا مستحق ہے۔ اور وہ مسئلہ تبادلہ ہے

ایک زمانہ سے سونے کی قیمت سے روپیہ کا لین دین ہوا کرتا تھا۔ اس وقت ایک روپیہ ۲ شلنگ کے برابر تھا۔ ۱۸۷۳ء سے روپیہ کی قیمت گرنا شروع ہو گئیں۔ پہلے ۲½ پنس گری مگر یہ انحطاط جاری رہا۔ روپیہ کی قیمت جس قدر گرتی گئی، قدرتاً اسی قدر ملکی قرضوں میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۱۸۹۵ء میں روپیہ کی قیمت ۱ شلنگ ۱ پنس ہو کر رہ گئی۔ ہندوستان کے ٹکسال کو بند ہو جانا پڑا اب انگلستان کے ماہرین مالیات نے ایک دوسری اقتصادی پولیسی کی بنا ڈالی۔ روپیہ میں چاندی کی اصلی مقدار کم کر دی گئی اور شلنگ سے بھی اس کے تبادلہ کی قیمت ۱-۴ معین ہو گئی۔ اب یورپین افسروں کو تبادلہ کی کمی کے سبب کچھ گھاٹا ہوا۔ تو "نقصانات تبادلہ" کے نام سے ان کی گھٹی پوری کر دی گئی۔ ۱۹۱۲ء میں جب روپیہ کے تبادلہ کی قیمت معین ہو گئی۔ تو اس نقصان کے مطابق جو تبادلہ کے کمی کے باعث پہنچتا ہر انگریز ملازم کا مشاہرہ مستقل طرح سے بڑھا دیا گیا۔ اس طرح غریب ہندوستانیوں کا روپیہ بے دریغ صرف ہوتا گیا۔ جب تبادلہ کی قیمت انگلستان نے اپنے شاہی مفاد

پر نظر رکھتے ہوئے خود مقرر کی تو انگریزی افسروں کے تبادلہ
کے نقصانات انگریزی خزانہ سے ادا ہونا چاہیئے تھا۔
"حقیقت میں یہ مسئلہ اور بھی وسیع تر ہے۔ جس وقت کہ ہندوستانی
سکہ گر رہا تھا تو اس وقت ان تمام ملکوں کا توازن بگڑا ہوا تھا۔
جہاں چاندی کے سکہ کا چلن ہے۔ مگر برطانوی روپیہ ہندوستانی
اقتصادی خرابی کی ذمہ دار ہوئی۔ اور ہندوستانی قرضوں کے
ادائیگی کے مسئلہ نے ہمارے مشکلات کو اور بڑھا دیا۔"
"تبادلہ کا مسئلہ ایک پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے اور علمی حیثیت
رکھتا ہے مگر جب ہمارا ملک ان ساری خرابیوں کا ذمہ وار نہیں ہے۔
تو اُسے ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا کہ ہندوستان کو تبادے کے سارے
نقصانات کے پورا کرنے پر مجبور کرتا۔ اور کم ازکم ان رقوم میں تو
اس کا لحاظ کیا جاتا جو لندن کی حکومت کو ادا ہوتی تھی اور انگریز
ملازمین کے مشاہرہ میں وصول کی جاتی تھی۔"
اکثروں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ ۱۸۰۰ کروڑ (اٹھارہ ارب)
میں سے بہت سی رقمیں وصول ہو چکیں ہیں اس لئے اب اس قصے

کو از سر نو اُٹھانا بیکار ہے۔ جو کچھ وصول ہو چکا ہے اُسے اب نظرانداز کر دینا چاہیئے۔ مگر یہ استدلال حقیقت سے روگردانی کرنے کے مرادف ہے۔ کیا ایک مہاجن کسی کے نام پر بطور خود قرض کی ایک مقدار مثلاً اٹھارہ سو روپیہ لکھ لے، پھر کچھ سود بھی وصول کر لے اور زر اصل سے آٹھ سو روپیہ نقد بھی وصول کر لے تو کیا یہ سارے اندراجات کبھی صحیح اور جائز بھی ہو جا سکیں گے۔ اور کیا حساب سمجھانے کے وقت مہاجن کا یہ کہنا کسی طرح حق بجانب ہو سکتا ہے کہ "اب جو کچھ میں وصول کر چکا ہوں اُسے معرض بحث میں نہ لاؤ اور بقیہ رقوم کے متعلق گفتگو کرو۔"

پس اگر ہندوستان کے قرضوں کا کچھ حصہ ادا ہو چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے والے کون تھے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی کا حق سوائے ہندوستانی محصول دہندوں کے اور کسی کو بھی نہیں ہے اور اگر وصولی قرض کے نام سے کسی نے کچھ رقم وصول ہی کر لی ہے تو پھر اوس کا واپس لے لینا ہی مقتضائے انصاف ہے۔

العرض "قرضۂ عامہ" کے مسئلہ کے مطالعہ سے جس کا ایک مختصر اور اجمالی بیان اوپر گذر چکا ہے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ نہ صرف کوئی رقم ہندوستان کو بصورت قرض ادا کرنا چاہئے بلکہ خود انگلستان کے ذمہ تقریباً آٹھ ارب روپیہ ہندوستان کا واجب الادا ہوجاتا ہے جو اُسے ہندوستان کو ادا کرنا چاہئے ان حقایق کے انکشاف سے خریداران گورنمنٹ یا ؤنڈ کو کچھ گھبرانا نہ چاہئے۔ اگر برطانیہ میں کچھ بھی تاجرانہ اخلاق ہنوز باقی ہے تو وہ ضرور سارے کا سارا روپیہ ادا کردیگا۔ اس نے اپنے اعتبار پر یہ بانڈ فروخت کئے ہیں۔ اور وہ ان رقوم کی ادائگی سے کیونکر منہ موڑ سکتا ہے۔ خریداروں کا نقصان صرف اوسی وقت ہو سکتا ہے جب انگلستان ان قرضوں کی ادائگی سے انکار کرے۔

فصل ہفتم

خلاصہ

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ومنتشر ہونے لگتی ہیں تو اس وقت حوصلہ مند جماعتیں قبضہ وطاقت کیلئے آپس میں برسرپیکار نظر آتی ہیں۔ یہی حال ہندوستان کا بھی ہوا اور ایسٹ انڈیا جیسی منافع گیر کمپنی نے موقع سے فائدہ اٹھاکر شاہنشاہ دہلی کے ہاتھوں سے عصائے شاہی چھین لیا۔ (کچھ تو ملک کی غیر مطمئن حالت کے سبب جبکہ پیہم جنگوں کے باعث خود سلطنت مغلیہ تباہ ہورہی تھی، اور کچھ اُن مظالم کے سبب جو آخری بادشاہوں نے روا رکھے) اس وقت ملک پر بھاری محصولات لگے ہوئے تھے اور خود ملک کی اقتصادی حالت ہیجان وانتشار میں تھی برطانوی قدامت پسندی کی پہلی بسم اللہ یہ ہوئی کہ انھیں بھاری اور ظالمانہ محصولات کو حالت امن میں بھی جاری وساری رکھا گیا۔ نظام حکومت کی پختگی، اور انتظامات کی سختی نے انھیں صوبوں کی آمدنی کو اس قدر

بڑھا دیا جو مغلیہ حکومت میں کبھی وصول نہ ہوئی تھی تولیت (Trustee Ship) کی خیال آفرینی اُس وقت نہ تھی بلکہ اس وقت کمپنی کے سامنے محض زرکشی اور استحصال کا ایک ایماندارانہ کاروباری مسئلہ تھا جس پر وہ کھلے بندوں عمل پیرا تھی "تولیت" کا تخیل تو بہت بعد کا مسئلہ ہے جسے برطانیہ کے قبضہ کی صحت اور جواز کے لئے رفتہ رفتہ نشو و نما دیا گیا۔ کلایو (Clive) اور وارن ہسٹنگ جیسے بانیاں سلطنت نے ملک کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب لوٹا اور جس قدر دولت سمیٹ سکتے تھے سمیٹ کرلے گئے۔ یہی وہ روپیہ تھا جو اسٹیم انجن وغیرہ جیسے ایجادات پر لگایا گیا اور بڑی حد تک یورپ کے "صنعتی انقلاب" کا سبب ہوا۔ پس وہ حالات جو یورپ اور انگلستان کے فائدہ کا سبب ہوئیں وہی ہندوستان کے نقصان کا موجب ہوئیں۔ اور اسی زمانہ سے ہمارے ملک کی اقتصادیات کا وہ انحطاطی دور شروع ہوجاتا ہے جو آجتک کسی طرح درست نہو سکا۔ انگلستان کو اپنا گھر بھرنا تھا اور حق یہ ہے کہ اس نے

خوب ہی جی کھول کر اپنا گھر بھرا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعمیر محض تجارتی کاروبار پر ہوئی تھی۔ اس کی سیاست میں ملکی مفاد کے لئے کسی تعمیری پالیسی کی تلاش محض ایک حماقت ہے۔ شخصی کاروبار کے مثل اس کا نظریہ بھی دور اندیشی اور دور بینی کی بجائے محض فوری اور سریع الحصول فوائد پر منحصر رہا اور اگر کبھی ہندوستان کے فائدے کا خیال بھی ہوا۔ تو اوسے انگلستان کے فوائد کے ماتحت رکھا گیا جس کا مقصد ساری دنیا پر اقتصادی تفوق حاصل کرنا تھا۔ اور ہے۔ ہندوستان ان اقتصادی مقاصد کے حصول کا ایک زینہ قرار پایا اور ملک کے اقتصادی انحطاط کی رفتار خارجی اسباب کے باعث اکثر و بیشتر غیر متوقع طرح پر تیز تر ہوتی گئی خواہ اہل برطانیہ اپنے افعال کے نتائج سے باخبر ہوں یا نہیں سلطنت مغلیہ کے آخری دور کا اقتصادی جمود ان غیر ملکی حکمرانوں کی سیاست کے باعث متبدل بہ انحطاط ہوتا ہی گیا۔

کارخانہ جات انگلستان میں غایت تیزی سے قائم ہونے لگے اور ان میں ہندوستان کی خام اجناس کی کھپت بھی ہونے لگی

گویا کہ ہندوستان کو خام اجناس کی بہم رسانی کا ایک مستقر بنا دیا گیا۔ انگلستان کے سرمایہ داروں نے ہندوستان کیساتھ ایسا تجارتی اتحاد قائم کیا۔ جس میں الٹا ہندوستان ہی کا گھاٹا رہا۔ مگر ہندوستان کیلئے اس مصیبت کے بے چون وچرا برداشت کرنے کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا۔ یہی وہ اثرات تھے جن کے ماتحت ہندوستان کے محصولات جنگی مرتب ہوتے تھے ہرچند کہ مسٹر میکڈونلڈ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت ہند کی سیاست ہندوستانی مفاد کے لئے مضر نتائج پیدا کرتی رہی مگر وہ ان سب کو اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ حکومت "آزادیٔ تجارت کے اصول پر ایمانداری سے عقیدہ رکھتی تھی۔ اوس نے اس اصول کو ہندوستان میں جاری کر دیا۔ جو حسن اتفاق سے لنکاشائر کے مفاد کے مطابق پڑ گیا" ان عذرات میں کچھ معقولیت اس وقت ہوتی جب یہ حالات کسی شخص واحد یا ایک تھوڑے زمانہ تک حکمرانوں کی اجتہادی غلطی کے سبب جاری رہتے۔ مگر جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سالہا سال بلا فرق اسی

1. J.R. Makdonald's Govt. of India R 128–29

پالیسی پر عمل درآمد کیا جاتا رہا ہے۔ تو ایسی حالت میں مسٹر میکڈونلڈ کے نظریہ کو تسلیم کرلینا۔ ان تعلیم یافتہ اور لائق دماغوں کی توہین کرنا ہے جن کے ہاتھوں میں ہندوستان کی حکومت کی باگ مدتوں رہی اور ہمیں مجبوراً اسی نتیجہ پر قائم رہنا پڑتا ہے کہ تجارت خارجہ میں انگلستان نے کبھی ہندوستانی مفاد کیساتھ انصاف نہیں کیا اور یہی خیال فطری اور قرین انسانیت بھی ہے کیونکہ انسان پہلے اپنے ملک کا بھلا دیکھتا ہے۔ مزید براں ملک کی ظاہری حالت سے بھی بجز اس کے اور کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی ہر چند کہ زعماء ہند بار بار حکومت کو اس کی اقتصادی پالیسی کی غلطی پر متنبہ کرتے رہنے پر بھی جتنے زعماء ہند نے کبھی بھی فروگذاشت نہیں کیا' ہندوستانی سویلینوں کے اس رویہ کو کسی نیک نیتی پر محمول کرنا' آخری اور انتہائی حد تک ہماری سادہ مزاجی اور بھولے پن کی جانچ کرنا ہے +

انگلستان کے کارخانوں کی ترقی بھی ہمارے ملک میں ایک حد تک ریلوے کی توسیع کا سبب ہوئی ہے۔ پھر جنگی اور غیر منافع

ریلوے محصولات کا خوشگوار امتزاج' کاروبار کے مزید فروغ کا سبب ہوئی۔ ان حالات کو دیکھ کر انگلستان کی اصطلاح کے مطابق ہندوستانی سیاسی ہنگامہ پسندوں" اور ان کے "گمراہ" فرنگی احباب نے کبھی کبھی بے اطمینانی کا اظہار کیا ورنہ یوں تو سارا کام خاموشی اور عمدگی سے چلتا رہا اور زرکشی کی وہ پالیسی جو ایسٹ انڈیا کے زمانہ سے جاری تھی اوسی طرح طرح اسوقت بھی جاری وساری ہے جب کہ حکومت کی ذمہ داری تاج برطانیہ نے اپنے سر لے لی ہے۔ حالانکہ اس تغیر کے بعد یہ مسئلہ محض تجارتی کاروبار کا نہ تھا۔ بلکہ خود انگریزوں نے اُسے "ربانی ذمہ داری" کے بلند بانگ دعوی سے یاد کیا ہے۔ ہندوستانی اس دلکش نغمہ کو سمجھنے سے تو قاصر رہے مگر انہوں نے اس میں بھوکی شاہنشاہیت کی خوفناک گرج ضرور محسوس کی۔ ان سیاسی اور تاریخی تشریح کے بعد تجارت خارجہ کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ شرح تبادلہ کی مصنوعی حالت کو قائم رکھتے ہوئے ہندوستان سے اس قدر وصول کیا گیا جس قدر کہ وہ دے سکتا تھا اور پھر اوسی قدر واپس کیا گیا جس قدر کہ محض ضروری تھا۔ واہ رے ہندوستان کی خوش نصیبی! وہ انگلستان کو منافع بھی دیتا اور اس سے گراں قیمت

مال بھی خرید کرتا" لاریب ملک کا تجارتی توازن ایسا نہیں جو لوگوں کی طاقت پیداوار کو بڑھا سکے۔ کثیر رقم انتظامی محکموں پر صرف کر دی جاتی ہے جسے عوام کی صلاحیت پیداوار کی بڑھانے سے بہت کم تعلق ہے اور ایسے محکموں کی توسیع و ترقی کو روک دیا گیا ہے جنکا تعلق ملکی فلاح و ترقی کے ساتھ وابستہ تھا۔ توسیع و تعمیر سلطنت پر تو اس قدر خرچ ہوتا رہا جس نے تمامی ذرائع آمدنی کو خالی کر دیا مگر قومی تعمیر کے اخراجات ہمیشہ بے توجہی و لاپرواہی کے شکار رہے۔ آخر کار مسٹر میکڈونلڈ بھی اسقدر تسلیم کر لینے پر مجبور ہوئے کہ "ہم لوگوں نے شاہی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان کی آمدنی بیدریغ صرف کر دیا۔ مگر فلاح و فروغ کے کاموں میں بجید کوتاہی سے کام لیا ہے"۔ گویا کہ غریبوں کی آہ و بکا ہمارے حکمرانوں کے شور و شغب میں گم ہو کر رہ گئی۔

ہندوستان کے وصول شدہ محاصل کا زیادہ تر حصہ انگلستان میں خرچ ہو جاتا ہے۔ مسٹر میکڈونلڈ کے ارشاد کے مطابق سب کچھ کہنے

1. J. R. Macdonald's The Awakening of India P. 148.

2. " " "

اور کرنے کے بعد جب منافع اور نقصان کی میزان لگا لی جاتی ہے تو پھر اس میں شبہہ کی کوئی گنجایش نہیں رہتی کہ ہندوستان کا روپیہ ملک سے باہر جا کر دوسروں کے استفادہ کا سبب ہو رہا ہے اور ہندوستان محض نقصان ہی نقصان میں رہجاتا ہے"۔

غربا سے وصول شدہ محصولات کو صرف غیر ملکی حکمرانوں کی عزت و وقار کے قائم رکھنے میں صرف کیا جاتا ہے۔ اس جگہ بھی اسی مزدور لیڈر کے حوالہ سے کہا جا سکتا ہے کہ "غربا سے" انکی حیثیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اور امرا سے انکی صلاحیت سے بجد کم محصولات وصول ہوتے ہیں"۔ مسٹر[1] اے کولن کا خیال ہے کہ "جس آسانی کے ساتھ امرا اور متوسطین محصولات کے اثر سے بچ نکلتے ہیں وہ انتظامات ملکی پر ایک بدنما داغ ہے" اور حکومت ہند کو اس کا جلد سدباب کرنا چاہیے" غریبوں کا اپنی خوراک تک سے بچایا ہوا روپیہ مسرفانہ اخراجات اور تعیش کی نذر

1 J.R. Macdonald's The Govt of India P.149.

ہو جاتا ہے اس سے افادۂ مختتم کا بھی نقصان ہو جاتا ہے جو سرمایہ میں محصولات یا بہ الفاظ دیگر قومی سرمایہ میں کبھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔ مثلاً مالگذاری پر بحث کرتے ہوئے سرولیم ہنٹر تسلیم کرتا ہے کہ "حکومت کے تشخیص شدہ لگان کی ادائیگی کے بعد کاشتکار کے پاس اس قدر بھی نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنے کنبے کا بوجھ سال بھر تک اٹھا سکے"۔[1]

بجا طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امرا کو چھوڑ کر آخر غربا پر حکومت نے نسبتاً کیوں اس قدر زیادہ ٹیکس لگا دیا ہے؟ جواباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح برطانوی مقیم ہندوستان جو تمام کے تمام ہی آسودہ حال طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں نسبتاً ان محصولات سے مامون ہو جاتے ہیں۔ اس امر کا ایک زیادہ معقول اور سیاسی جواب بھی ہے اور جو حال ہندوستان کا ہے اِس لحاظ سے کسی دوسری صورت کا پیدا ہونا تعجب انگیز ہوتا۔ بہرحال جواب یہ ہے کہ ایک بدیسی حکومت کی حیثیت سے حکومت ہند عوام کی خوشی اور مرضی کی مضبوط اور پائدار بنیادوں پر قائم نہیں ہے اور اسی وجہ سے

1. *Quoted by Laj-pat Rai Un-happy India* P. 356

اس کی جڑیں قدرتی اور طبعی طرح پر غذا حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ اُسے اپنے قیام کے لئے لوگوں کی ہمدردی اور امداد درکار رہتی ہے اور ایسی دفتری حکومت کو جس جماعت کی امداد و وفاداری کی سب سے زیادہ توقع اور تمنا رہتی ہے وہ انھیں تعلیم یافتہ متوسطین۔ رؤسائے عظام، اور سرمایہ داران کی ہے۔ جن پر ٹیکس کا سب سے کم بار ڈالا جاتا ہے اور چونکہ برطانوی مقاصد کے ساتھ' ان کے مقاصد بھی ایک گونہ ملے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے احتجاج کی جلد شنوائی بھی ہو جاتی ہے

ایک بدیسی حکومت کے اخراجات بھی انھیں مصنوعی اور غیر طبعی اسباب کی بنا پر اس قدر بڑھ جاتے ہیں' جو وطنی حکومت میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتے اوسے اپنی حفاظت کیلئے ہر وقت ایک مشاہرہ دار فوج کے قائم رکھنے کی ضرورت رہتی ہے جس کا بار خواہ حالت امن ہو یا جنگ' مالیات عامہ پر پڑتا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ملکی حکومت بہت تھوڑی باقاعدہ فوج رکھنے کے بعد' ابنا وطن پر اپنی امداد کیلئے بھروسہ رکھتی ہے یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ قحط زدہ علاقوں کی مصیبت دور کرنے میں ریلوے نے

بڑی مدد پہنچائی مگر اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ سمندر کے طغیان وطوفان میں شکستہ جہازات کے مسافروں کو بچانے کے لئے بجائے صحیفہ حیات کے کوئی حکومت عظیم الشان جنگی جہازات تیار کرانیکا خیال کرے۔ یہ ایک مہمل استدلال ہے۔ جب ان طریقوں پر عمل نہیں کیا جاتا جس سے قحط کا سد باب ہو جائے۔ تالاب و کنوئیں بند کرنے کے بعد نہروں کا پانی من مانی قیمت پر فروخت کرنا علمی تحقیقات کے بغیر اور عمل کے فقدان کے باوجود بار بار کھیتوں میں ایسا پانی پہنچانا جو زراعت کیلئے نقصان دہ ہو جائے۔ قحط کے امکانات کو دور نہیں کرتا، پھر ان کوتاہیوں کے باوجود محض ریلوے کے بھروسہ پر قحط کے امکانات کو روکنے یا کم کرنے کا خیال کرنا غیر معقولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سر لے۔کوتن کہتا ہے کہ "میرا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کو دریائی وسائل آمد و رفت کی حاجت تھی ریلوے نظام کامل طور پر ناکام ہو گیا کیونکہ وہ اس قدر سستا نہ ہو سکا جس قدر کہ جہاز اور کشتیاں سستی ہو سکتی تھیں۔ اسباب و مسافروں کو ڈھونے کے باوجود خالی کشتیاں بہ لحاظ رفتار ریلوے سے

1. Quoted by K. T. Shah: Trade, Tariffs & Transport P. 409.

کسی طرح کم نہ ہوتیں۔ اور ارزاں کرایہ پر بھی چلتیں"۔ رشبروک ولیم ایک صحیح نکتہ کی تشریح کرتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ "ہندوستان[1] کی ناقابل انکار غربت کا سبب یہ ہے کہ ملک کی تنظیم اس طرح نہیں کی گئی جس سے پیداوار ملکی میں اضافہ ہو سکے"۔ اور اس عدم تنظیم کی وجہ مسٹر جے۔ اے ہابسن کے اس اصولی اظہار رائے میں مل جاتی ہے کہ "مغربی دنیا" اپنے اقتصادی اور سیاسی خیالات کو اس طرح عملی جامہ پہنا رہی ہے، اور اس کے جذبات اور اصولی خیالات کا بھی ارتقاء اس طرح ہو رہا ہے کہ غیر قوموں کا استیصال اپنا جائز اور واجبی حق سمجھنے لگی ہے اور یہ مغربی استعماریت جماعتی تفوق کی جگہ لے رہی ہے اور ایسی ذہنیت اور اخلاقیات کا نشو و نما ہو رہا ہے، جو اس جدید سماجی کیفیات کے مناسب حال ہو سکے یہ ہوا اس طرح چل رہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ ہی دنوں میں یہ مغربی قومیں اپنی احتیاج کا بار کرہ ارض کی غیر تعلیم یافتہ غریب اور کمزور قوموں کے کاندھوں پر ڈال دینگی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں

1. Rushbrook willams India in 1923-1924, P. 194

بستی ہوں۔ اور یہ تمامی تفوق یافتہ قومیں ان کی متحدہ و مشترکہ محنت
کے بدل میں چین و آرام کی زندگی گذارتے ہوئے اس تفوق آمیز تخیل
میں محو رنظر آئیں گی کہ وہ دنیا کے حکمراں ہیں۔" ڈاکٹر رُودَر فورڈ بھی
اسی حقیقت کا اظہار کرتا ہے جب وہ تحریر کرتا ہے کہ برطانیہ جس طرح
ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے وہ "دنیا کی پست ترین اور غیر[1]
اخلاقی اصولوں پر جاری ہے۔ جس میں ایک قوم بہ اطمینان تمام دوسری
قوم کو اقتصادی اور سیاسی اصولوں کے ماتحت فنا کر رہی ہے اور
اس کے استیصال میں مصروف ہے" اور یہی حصول آمدنی کے
غلط طریقوں اور اخراجات کی بے اصولیوں نے بقول مصنف ہندوستان
کو غربت کے پست ترین حدود میں پہونچا دیا ہے۔ وہ خصوصیت
کے ساتھ بتاتا ہے کہ حکومت[2] نے عوام کی تعلیم میں لاپروائی برتی
دیہاتوں میں حفظان صحت و طبی امداد بہم نہ پہونچائی، غربا کے مکانات
کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے
ظلم سے نہ بچایا۔ نہ زراعتی بینک قائم کئے۔ نہ زراعت کی ترقی

1. V.H. Rutherford's Moder India P. 77.
2. Ibid Ibid P. 161

کا خیال کیا۔ نہ ہندوستانی تجارت کی امداد پر توجہ کی اور نہ برطانوی سرمایہ داروں کو اس امر سے باز رکھا کہ ٹرام۔ برقی روشنی اور دیگر قومی ٹھیکوں پر ہندوستانیوں کے مقابلہ میں قبضہ نکریں اور نہ ہندوستانی سکہ کے غیر طبعی تغیر کی بحالی پر کچھ توجہ کی جو محض انگلستان کے فائدے کے لئے قائم رکھا گیا ہے۔

محصولات تاہین اگر قدیم دستکاری اور گھریلو صنعتوں کو نہیں بچا سکتے تو کم از کم وہ ملکی کارخانہ جات کو تو بچا سکتے تھے' اور ان کے استحفاظ اور ترقی سے یہ فائدہ تھا کہ وہ فاضل آبادی جو مجبوراً زراعت کا سہارا پکڑے ہوئے ہے۔ ان نئی صنعتوں میں لگ کر کاشتکاری سے اپنے تعلقات منقطع کر لیتی اور زراعت بھی جب اس فاضل انسانی بوجھ سے نجات پا جاتی تو زمین اور مزدور کے صحیح تناسب کے امتزاج سے زیادہ پیدا وار دینے لگتی۔ دوسری طرف اگر مزدوروں سے شرکت منافع (سرمایہ کو نقصان سے بچاتے ہوئے) کے اصول پر صنعت کو ترقی دی جاتی تو ان تمام باتوں کا خوشگوار نتیجہ عوام کی خوشحالی اور فارغ البالی کی صورت نمایاں ہوتا رہے۔

"اگر دستکاری مردہ کردی جائے زراعت پر بھاری ٹیکس لگیا[1] اور ملک کی تہائی آمدنی ملک سے باہر چلی جائے تو ایسے حالات میں خواہ دنیا کی کوئی قوم ہو مستقل غربت اور مسلسل قحط کا شکار ہو جائیگی۔ اقتصادی قوانین خواہ یورپ میں خواہ ایشیا میں کار فرما ہوں یکساں ہیں اور یکساں رہیں گے۔ ہندوستان کی موجود غربت کے اسباب یہی اقتصادی کیفیات ہیں جو اس وقت ہندوستان کے مقاصد کے خلاف روا رکھے جا رہے ہیں ان حالات میں اگر ہندوستان تونگر اور مالدار ہو جاتا تو یہ ایک معجزہ سمجھا جاتا۔" ہاں! اگر حیرت ہے تو اس پر ہے کہ وہ ابتک زندہ کیونکر ہے اور اقتصادی معجزہ اگر ہے تو یہ ہے کہ تقریباً ایک صدی سے ہندوستان پتھروں سے روٹیاں بنا بنا کر زندگی گذار رہا ہے۔ دنیا کی کوئی دوسری قوم ہوتی تو کب کی ان مشکلات و حوادثات سے پریشان ہو کر حالت ناامیدی میں موت کی گھاٹ اتر جاتی۔ اس بات کے تو خود مسٹر ریمزے میکڈونلڈ مقر ہیں کہ "ہم لوگوں (انگریزوں) پر معقولیت کے ساتھ

1. J.R. Macdonald's; The Awakening of India P. 148

کم از کم دو اہم اعتراضات تو ضرور عائد ہوتے ہیں۔ ایک حکومت کا مسرفانہ رویہ دوسرا ہندوستان کے ساتھ ذلیل برتاؤ۔ اگر اخراجات عامرہ استعداد پیداوار کی بڑھانے کے نقطہ نگاہ سے کئے جاتے تو اس سے لوگوں کی عقل و استعداد بجید نشو ونما پاتی۔ اب بصورت دیگر یہی لوگوں کی مردنی اور زبوں حالی کا سبب ہو رہا ہے۔ جب ملکی آمدنی کا بڑا حصہ بہت ہی قلیل معاوضہ میں ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ تو ملک بھی اوس حد تک غریب ہوجاتا ہے کیونکہ اگر وہ کثیر سرمایہ ملک میں رہجاتا تو آخر کار اباۓ ملک ہی میں تقسیم ہوجاتا۔ شخصی سالانہ آمدنی کا اندازہ جو حکومت نے تیار کرایا ہے درج ذیل ہے۔

جس سن میں تیار ہوا	جس شخص نے تیار کیا یا نگرانی میں تیار ہوا	اوسط سالانہ فی کس آمدنی
سنہ ۱۸۸۰ء	بارنگ اور باربر	۲۷ روپیہ
سنہ ۱۹۰۱ء	لارڈ کرزن	۳۰ ،،
سنہ ۱۹۳۱ء	پروفیسر شاہ	۴۶ ،،

مذکورہ بالا اعداد کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے شخصی آمدنی

ترقی پذیر ہے۔ مگر نداتہ روپیہ کی کوئی قیمت نہیں ہے اور جب تک
استعداد خریداری کی نسبت سے روپیہ کی قیمت کا صحیح اندازہ
نہ لگایا جائے روپیہ کی قیمت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ شرح بکری اشیائے
کی نسبت سے شخصی سالانہ خرچہ کا حساب سنین مذکورہ بالا میں مبلغ
ایک سو، ایک سو بیس[1] اور تین سو اٹھتر ہوتا ہے اور اسی شرح بکری
سے جب حساب لگایا جاتا ہے تو ۱۸۸۱ء میں مبلغ ستائیس[27] روپیہ
۱۹۰۱ء میں ۷، ۳۰، ۲۰ - اور ۱۹۲۱ء میں ۶، ۱۹ روپیہ اوسط
آمدنی فی شخص نظر آتی ہے۔ اوسط آمدنی کی مغالطہ آمیز زیادتی جو
سرکاری اعداد و شمار سے ظاہر ہوتی تھی۔ شرح بکری اشیا کی
روشنی میں صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ زیادتی حقیقی نہ تھی بلکہ
آمدنی رو بہ انحطاط تھی۔ مسٹر ہائیڈ مین خوب جانتا تھا کہ کیا
ہو رہا ہے۔ جب اوس نے یہ تحریر کیا کہ "میں بار بار اس کا اعادہ
کرنے پر مجبور ہوں کہ ہندوستان کے لوگ غریب سے غریب تر ہوتے
جا رہے ہیں ان کا ٹیکس زیادہ ہی نہیں بلکہ ان کے تناسب آمدنی

1. M. Hyndman's Bankruptcy of India P. 74

کے لحاظ سے بے حد بھاری ہے اور اس میں ہر خشک سالی کا سال ان کے غربت کی خلیج کو عمیق کرتا جارہا ہے اور قحط کے امکانات کو آسان کرتا جاتا ہے۔ ملک کی بہت سی تجارتیں[1] ملک کی غربت کا آئینہ ہیں اور یہی اس امر کا بھی قطعی ثبوت ہے کہ ایک منظم غیر ملکی حکومت کس طرح ملک کی دولت کو ہولناک طریقہ پر بہانے کا اصلی سبب ہو رہی ہے۔ ان کی خوش قسمتی سے اگر ایسا ہو جاتا کہ انہیں غربا کے خرچہ سے ساری دنیا کی مجموعی ریل اور نہر ہندوستان میں پھیلائی جاسکتی تو ان کو بھی انھیں ہلاکت آفریں انجام کے پورا کرنے میں لگا دیا جاتا۔" نمایندہ اور جمہوری حکومتوں میں اخراجات سلطنت کی زیادتی وملکی ترقی کا صحیح پیمانہ تصور ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں اخراجات حکومت کی زیادتی کا سبب یہ ہے کہ عمال حکومت کے "ووٹ" کی مدد سے زیادہ خرچہ مشاہرہ اور بھتہ پر ہو جاتا ہے۔ جو ملک کیلئے سخت نقصان کا سبب ہے ایسے غیر منفعت بخش اخراجات کی زیادتی کے سبب جس سے براہ راست

---

[1] غالباً ان تجارتوں سے مراد ہڈی اور خون کی تجارت ہے جو ہندوستان سے باہر بھیج دیا جاتا ہے۔

یا بالواسطہ محصول دہندہ کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آمدنی کی کمی کا سبب ہوجاتا ہے اور یہ انحطاط افادہ مختتم کی حد تک پہنچ کر جبکہ مزید پیداواری کی صلاحیت برباد ہوجاتی ہے' قومی آمدنی کے نقصان کا موجب ہوجاتی ہے۔ سر ولیم ہنٹر کہتا ہے کہ "یہ محض بیکار رہا جو ہم لوگوں نے ہندوستان کے بیرونی حملوں کا سدّباب کر دیا۔ اور ملک میں بے انتظامی اور بے امنی کے بدلے امن وسلامتی کی فضا پیدا کردی۔ اسکول اور عدالتوں کا جال سارے ملک میں پھیلا دیا' سڑکوں' ریلوں' اور نہروں کے اجرا سے ملکی تجارت' اور اس کے باشندوں میں ایک انقلاب کی لہر دوڑا دیا۔ اگر یہ تمام سازوسامان ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لیے' ناسازگار ہوگیا اور ان سازوسامان کے باوجود اتنا فائدہ بھی مترتب نہ ہوسکا کہ باشندگان ملک کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کو مل سکے اور اس غیر ملکی نظام حکومت کا بار برداشت ہوجائے"

ان اقتصادی نقصانات کے علاوہ ایک نقصان یہ بھی ہورہا ہے کہ اخراجات کا مناسب بدل ملک کو نہیں مل رہا ہے بہت ہی

بہتر فائدہ جو ایک قوم اپنے اخراجات انتظامی سے اٹھاتی ہے' وہ اپنے ملازمین کے تجربوں سے اٹھاتی ہے اور ان کا یہ فائدہ پنشن پانے کے بعد بھی ملک کو پہنچا رہتا ہے۔ اس وقت قوم ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتی ہے اس رُو کر بھی ہندوستان کی زبوں حالی ظاہر ہے۔ سویلین انگریز ہندوستان میں ہر طرح کا تجربہ حاصل کرتے ہیں اور انگلستان روانہ ہو جاتے ہیں وہ تجارب جو وہ ہندوستان میں رہکر حاصل کرتے ہیں ان سے ہندوستان تو ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتا ہے مگر اس کا فائدہ انگلستان کو پوری طرح ملتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سیاسی دنیا میں انگلستان کی سرداری' اس کے فرزندان وطن کے ان وسیع تجربوں کے سبب ہوئی ہے جو انھیں بہت حد تک ہندوستان کی سرزمین میں حاصل ہو سکی۔

فصل ہشتم

اختتام

غربا کے افلاس کو دور کرنے کے وسائل پر بحث کرتے ہوئے ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ یہ بتاتا ہے کہ "غربا کے افلاس[1] کا علاج محض قانون سازی سے نہیں ہو سکتا بلکہ ان مقاصد کیلئے لنڈن اور کلکتہ کے اس گروہ کے مفاد کے ساتھ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہو گا۔ جو طاقت کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہندوستان کی دولت بے دریغ سمیٹ رہا ہے۔ محکمہ مالیات کی بد انتظامی ہر خرابی کی موجب ہو گئی ہے۔ اور جب تک اُسے درست نہ کر لیا جائے اور کوئی دوسری ترکیب بالکل کارگر نہ ہو گی۔ غربا کی دولت کا بیجا صرف ہمیں بند کرنا چاہیے۔ اور اس کی جگہ پر حصول آمدنی کے لیے ہمیں نئے اور زیادہ منفعت بخش ذرائع پیدا کرنے چاہئیں۔ اور ہندوستان کا دوسرے حصص پر طانیہ

1. W.S. Blaint's India under Ripon P. 247

سے مالی واسطہ متوازی طریقہ پر قائم کرنا چاہیے" اگر شہنشاہیت
برطانیہ انتظامات میں اس قدر ترمیم روا رکھے جو ہندوستان کو ان
اخراجات سے بری کرے جن میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو تو ہندوستان
کے خزانہ میں اس قدر روپیہ بچ جائے جس سے سیکڑوں ضروری
اصلاحی تجاویز عمل میں لائی جاسکیں اور ان سے پیداوار پر مناسب
اور مفید اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ خیالات مسٹر میکڈونلڈ وزیر اعظم
انگلستان کے ہیں جن کے ہاتھ میں اس وقت ہندوستان کی
بھی عنان حکومت ہے۔

فطرت انسانی، جب تک وہی ہے جو اسے ہونا چاہیے اُس
وقت تک اقتصادیات ہند کو مفاد ہند کے مطابق نہیں بنایا جاسکتا
تا اینکہ کارفرما طاقت کا مفاد کسی نہ کسی طرح ہندوستان کے فوائد
کے ساتھ منطبق کر دیا جائے۔ محصولات اس طرح عائد ہونے چاہئیں
جس سے قوم کی حرکت عمل اور پیداوار کی نشو و نما ہو۔ جب محصولات
ملکی تجارت کی ترقی و پرورش کا باعث ہوں۔ اور آمدنی جب
وسائل آمدنی کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل ہونے لگے۔ جب یہ

عیش پرستانہ اور مسرفانہ نظام حکومت کا بار فاقہ کش آبادی کے کاندھوں سے اُٹھا لیا جائے۔ اور حکومت کی زیر پرستی جب ہندوستان میں دولت کمانے والے اپنا واجبی حصہ حکومت ہند کو ادا کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور ہندوستان کا سرمایہ جب اس طرح خرچ ہونے لگے جس سے لوگوں کو اس کا فائدہ محسوس ہو۔ حکومت کے کاموں میں جب جذبہ خدمت کی جھلک ہو۔ اور اخراجات حکومت جب مقاصد قومی کے خلاف خرچ نہ ہوں' اس وقت جا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اقتصادی طرح پر مدارج ترقی طے کر رہا ہے۔ لیکن اس کا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہندوستان کو اقتصادی آزادی حاصل نہ ہو جائے۔

منتخبہ کمیٹی متعلق قرضجات حکومت کی رپورٹ کا خلاصہ

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے، کراچی کانگریس کے موقع پر چار آدمیوں کی ایک منتخبہ کمیٹی مقرر کی کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت برطانوی کے اُن مالی لین دین کی جانچ و تحقیقات کرے جو ہندوستان کے لئے لئے گئے، نیز اس پر مفروضہ "قرضۂ حکومت" کی ذمہ داریوں کی بھی تحقیقات کے بعد مشورہ دے کہ کس قدر رقمیں انصافاً ہندوستان کے ذمہ رہنی چاہئیں اور کس قدر انگلستان کو برداشت کرنی چاہئے اس منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے:۔

خلاصہ کمیٹی سر جیت ڈی۔ ان۔ بہادر جی، پروفیسر کے۔ ٹی۔ شاہ، سر جیت بھولا بھائی جے ڈیسائی اور جے۔ سی کمارپا (داعیِ کمیٹی)، پر مشتمل تھی۔ رپورٹ تین ابواب پر تقسیم ہے، پہلے باب میں، ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس قدر قرضے ۱۸۵۸ء تک لئے اس کی

میزان ایک جگہ پر دکھائی گئی ہے۔ دوسرے باب میں حکومت کے قرضوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور اس نے پیداآور اور غیر پیداآور کی جو دو تقسیم کی ہے اس پر روشنی ڈالی گئی۔

پھر اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ برطانوی اقتدار کے دور میں جس قدر قرضے بھی لیے گئے اس کی ساری ذمہ داری حکومت پر ہے کیونکہ ملک میں کوئی دستوری حکومت کبھی قائم نہ رہی اور نہ قرضے، ابنائے ملک کی اجازت و مشورہ سے لیے گئے، بہرحال رپورٹ نے اس امر پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے کہ "جس قدر قرضے ہندوستان کے فائدے کے موجب ہوئے ہوں" اس قدر رقوم کی ادائیگی کی ذمہ داری ہندوستان کو قبول کرنی چاہیے۔

ہندوستان کمپنی کے دورِ حکومت میں

رپورٹ میں کمپنی کی سرسری تاریخ بیان ہوئی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح دو صدی کے عرصہ میں ایک تجارتی کمپنی حکمراں طاقت بن گئی، حقیقت میں کمپنی نے اپنے تجارتی اور اپنے مملکت کے

عاملانہ اخراجات کے حساب کو اس طرح خلط ملط رکھا کہ اب اُس کو علٰحدہ علٰحدہ دکھانا تقریبًا ناممکن ہوگیا ہے۔ بہرحال بہ نظر سہولت ممبرانِ کمیٹی نے قرضوں کے اُس حساب کو تسلیم کرلیا ہے، جو کمپنی نے اپنی ضرورتوں کے لئے ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء بن تک کے لئے تیار کیا تھا۔ اور سرجارج بلفور کی تحریک پر ۱۸۵۸ء میں اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس حساب کے رُو سے کمپنی کا قرضہ پانچ کروڑ اسی لاکھ پاؤنڈ (یا ۵۸ میلین پاؤنڈ) تھا۔ اس قرضہ کی موٹی موٹی تفصیل یہ ہے:۔

کمپنی کی بیرون ملک سے جنگیں	میلین پاؤنڈ		
پہلی جنگ افغان	۱۵	″	″
برہما کی دو جنگ	۱۴	″	″
مہمات ایران، چین، و نیپال	۶	″	″
سود بر سرمایہ کمپنی از ۱۸۳۳ء لغایت ۱۸۵۸ء	۱۵	″	″
	۵۰	″	″

کمپنی کی نبرد آزمائیاں

کمپنی کی بیرون ملک سے لڑائیوں کے اخراجات کو ہندوستانی خزانہ

پر ڈالنے کے متعلق سر جورج ونگیٹ کے خیالات بہت دلچسپ اور لائق مطالعہ ہیں، وہ لکھتا ہے کہ "مملکت شاہی سے باہر ہماری اکثر ایشیائی جنگیں، ہندوستان کی مالی اور فوجی مدد سے لڑی گئیں ہیں، ان جنگوں میں سے بعض خالص شاہی مقاصد کی بنا پر ہوئیں اور بعض کو بعید اور دور از کار استدلال کی بنا پر ہندوستان کے مفاد کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ ساری جنگیں برطانوی وزراء کے حکم سے ہوئیں۔ اس لئے نتائج کی ساری ذمہ داری جو اُن مہموں سے پیدا ہوئیں برطانیہ کے سر ہیں' جنگ افغان اُس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ بات اب آشکار ہو چکی ہے کہ کمپنی اور بورڈ اوف ڈائریکٹرز کی خواہش کے خلاف یہ جنگ محض وزراء برطانیہ کے اصرار سے لڑی گئی۔ یہ ایک خالص برطانوی مہم تھی، جو اختلافات کے باوجود برپا ہو کر رہی، اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس کے اخراجات بھی ہندوستان کے خزانہ سے ادا کئے گئے، برطانوی حکومت نے کمیٹی اور بورڈ کے اختلاف و واویلا کی ذرا پروا نہ کی، اور تقریباً ۱۰ ملین پاؤنڈ کا خرچ ہندوستان

پر ڈال دیا گیا۔ اُن سیاسی مصالح کی بنا پر جس سے ہندوستان کو کچھ سروکار نہ تھا، وزرائے انگلستان نے ایران سے اعلان جنگ کر دیا، مگر جنگ پر روانہ کی گئیں تو ہندوستانی افواج، اور جنگ کا مالی بار بھی اسی کی گردن پر ڈالا گیا۔ اختتام جنگ پر نصف خرچ برطانیہ نے ادا کرنا منظور کیا۔ حالانکہ اُسے سارے اخراجات کی ذمہ داری لینی چاہیئے، عجب تماشہ ہے کہ ایشائی مہمات کے لئے روپے اور افواج ہندوستان سے لی گئیں، لیکن ان گراں قدر اخراجات اور جانی نقصانات کا کوئی معاوضہ کبھی ہندوستان کو ادا نہیں کیا گیا، اور نہ تو رقمیں پوری کی پوری واپس کی گئیں، پس ہماری ہندوستانی حکومت کی مشین اسی طرح یک رُخا یکسر خودغرضی کے ساتھ چلتی رہی، اور ہندوستان کے نقصان و مصیبت کی کسی نے کچھ پروا نہ کی"۔

جون براہٹ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ دارالعوام میں اُس نے یہ کہا کہ "سال ماقبل میں نے یہ کہا تھا کہ انگلستان کو جنگ افغان کے اخراجات برداشت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جنگ

برطانوی مفاد کے لئے وزرائے انگلستان کی ہدایت سے برپا ہوئی تھیں
اس کے بعد کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ کمپنی کے دور حکومت میں
جس قدر بیرون ملک سے جنگیں ہوئی ہیں۔ اور جن کے اخراجات کی
میزان ۳۵ میلین ہوتی ہے۔ اُسے حکومت برطانیہ کو برداشت کرنا چاہیئے۔

سرمایہ کمپنی کا مسئلہ

ایسٹ انڈیا کمپنی ۶ میلین پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم ہوئی حکومت
نے ۱۸۷۴ء میں ۱۲ میلین پاؤنڈ دیکر اس کی قیمت ادا کی۔ علاوہ ازیں
سرمایہ پر ۱۰ فی صدی کے حساب سے سود بھی ادا کیا۔ ان تمام ادائیوں
کی میزان ۳۷ میلین پاؤنڈ تک آجاتی ہے، ملاحظہ ہو:۔

اداکاری سود ۔ از ۱۸۳۳ء لغایت ۱۸۵۷ء ۔ ۱۵،۱۲۰،۰۰۰ پاؤنڈ
" " " ۱۸۵۸ء " ۱۸۷۴ء ۱۰،۰۸۰،۰۰۰ "

ادائیگی سرمایہ بہ اضافہ ۱۲،۰۰۰،۰۰۰

۳۷،۲۰۰،۰۰۰ پاؤنڈ

گویا رپورٹ کے بیان کے مطابق ہندوستان کی آمدنی سے

اس قدر رقوم ادا کرنے کے بعد اس کے نام پر جو سودا چکایا گیا۔ اُسمیں خود ہندوستان کے مفاد کا کہیں پتہ نہیں ہے، یہ کثیر رقوم تو کمپنی کے تجارتی حقوق و جائداد کی اصلی قیمت کے برابر ہو گئیں تھیں۔ اس خرید و فروخت کے طے کرنے والے ایک طرف ڈائرکٹران کمپنی اور دوسری طرف وزرائے انگلستان کی وساطت سے انگلستان کی پبلک تھی مگر ہندوستان کی کوئی آواز نہ تھی اور نہ تو اس کاروبار میں اس کی کسی طرح نمائندگی ہوئی۔ ایسی صورت میں ہندوستان پر اس مالی بار کا رکھنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے، برطانیہ کی اس کاروائی سے ہندوستان کا کچھ بھی بھلا نہ ہوا یعنی ان رقوم کی ادائیگی سے نہ تو ملک کو کوئی ایسا قیمتی اثاثہ ہاتھ آیا جس سے ملک کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا، اور نہ تو کوئی بھی کسی طرح کا فائدہ ملک و ابنائے ملک کو پہنچا جو اُن رقوم کی ادا کاری کی وجوب افادہ کو ثابت کرتا۔ کمپنی کے زمانہ میں ابنائے ملک نہ صرف ہر طرح کی اقتصادی و تجارتی مراعات سے محروم رہے، بلکہ نظام حکومت میں بھی اُن کا کوئی حصہ نہ تھا، گراں قدر اسامیاں غیر ملکیوں سے

بھری ہوئی تھیں۔ ہاں اگر فائدہ ہوا تو سراسر حکومت برطانیہ کا فائدہ ہوا، کمپنی کی جنگی کارروائیوں، اور اقتصادی کوششوں سے برطانیہ کو جو مالی و تجارتی فوائد ہوتے رہے، اُس بنا پر اگر کمپنی کے سرمایہ اور سود کی ادا کاری حق و انصاف کے مطابق کسی کو کرنا چاہئے تو وہ انگلستان ہے، ہندوستان جس کا سراسر گھاٹا ہی گھاٹا ہوتا رہا، کسی طرح اس ادا کاری کو قبول نہیں کر سکتا۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اس ۳۰ میلین خرچ کو بھی انگلستان کے ذمہ ہونا چاہیئے۔

اخراجات غدر

۱۸۵۷ء کے فوجی ہنگامہ کے فرو کرنے میں جو ۴۰ میلین پاونڈ خرچ ہوئے اُسے بھی ہندوستان کے سر ڈالا گیا، مگر کمیٹی کے خیال میں اس کی ذمہ دار بھی حکومت برطانیہ ہی ہے، جو اُس وقت بھی کمپنی کی وساطت سے واقعی طور پر حکمراں تھی، اور جس کی بدعنوانیاں اور بدنظمیاں اس عظیم شورش کا سبب ہوئیں اسلئے وہی حکومت اس

مالی بار کو بھی برداشت کرے، جو اس فتنہ کا اصلی سبب ہوئی ہے،
کمیٹی نے اپنے اس استدلال کی تائید میں سکریٹری اوف اسٹیٹ کے
ایک خط مورخہ ۸ راگست ۱۸۶۷ء کا اقتباس پیش کیا ہے، جس میں
تحریر ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے غیر معمولی واقعہ نے دفتر جنگ کو اپنے
(اقتصادی) مطالبات کے پیش کرنیکا ایسا موقع بہم پہنچایا ہے، جو
آپ اپنی نظیر ہے۔ اپنے مشرقی مملکت کے ضائع ہوجانے کے خطرہ
میں یہ اخراجات خود حکومت برطانیہ نے برداشت کئے، جس سے ایسے
موقعوں پر شاہی ذمہ داریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی گریز نہیں کیا جاسکتا
اگر سلطنت کے کسی دوسرے حصہ میں اسی طرح کی ضرورت پیش آتی تو نہ
صرف اس کے لئے جنگی مہمات روانہ کئے جاتے، بلکہ اس کے اخراجات
کو بھی بہت حد تک برداشت کیا جاتا۔ مگر ہندوستان کی اس
شورش کے فرو کرنے میں برطانیہ کا جو کچھ خرچ ہوا، اُسے ایک ایک
حبہ کرکے وصول کرلیا گیا۔ اور قرض اور سود کی صورت میں اب تک
وصول کیا جارہا ہے"۔

اسی کے مقابلہ میں مشرقی افریقہ کی ایک مثال موجود ہے، جہاں

بورُ باشندگان ٹرانسوال کی شورش کو فرو کرنے کے سلسلہ میں نہ صرف انگلستان نے پورا خرچ ہی خود برداشت کیا بلکہ ملکی باشندوں (Boers) کو اُن کے نقصانات کے معاوضہ کے سلسلہ میں ۳ میلین پاؤنڈ ادا کیا۔ اور پھر وہاں کی نوآبادی سے آجتک کوئی فائدہ نہ اُٹھایا حالانکہ ہندوستان کی حکومت سے اُسے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں، پھر اس خرچ کو ہندوستان پر رکھنا ضمیر اور انصاف کا خون کرنا ہے۔

بنابریں وہ قرضے اور مالی ذمہ داریاں جو کمپنی سے ہندوستان کو پہنچیں، جس کی میزان ۱۱۲ میلین زرطلائی ہو جاتی ہے جس کی تفصیل پھر درج کیجاتی ہے:-

افغانستان کی پہلی جنگ کے اخراجات	۱۵,۰۰۰,۰۰۰
برہما کی دو جنگ " "	۱۴,۰۰۰,۰۰۰
چین و ایران وغیرہ کی جنگ	۶,۰۰۰,۰۰۰
کمپنی کے سرمایہ منافع و سود	۳۷,۲۰۰,۰۰۰
۱۸۵۷ء کے غدر کے اخراجات	۴۰,۰۰۰,۰۰۰
	۱۱۲,۲۰۰,۰۰۰

برطانیہ کو برداشت کرنا چاہیئے اور لاریب ہندوستان کو غیر منصفانہ اقتصادی ذمہ داریوں سے بری کرنا چاہیئے، جو محض غلطی سے اس پر ڈال دیا گیا تھا۔

برطانوی حکومت کا دور

۱۸۵۸ء کے بعد سے حکومت ہند نے جو قرضے کئے، اُسے دو صورتوں سے دکھایا ہے۔(۱) پیدا آور۔ (۲) غیر پیدا آور۔ مؤخر الذکر قسم میں (الف) بیرون ملک سے جنگ، (ب) متفرقات، (ج) قحط، اور (د) نقصانات تبادلہ اور اسی طرح کے اخراجات شامل ہیں۔

(الف) بیرون ملک سے جنگیں

بیرونی جنگوں میں ۳۷ کرور سے زیادہ حکومت نے صرف کر ڈالا، ابیسنیا (Abyssinia) فوج روانہ ہوئی، افغانستان کی دوسری جنگ مصر، برہما اور سرحد کی جنگیں، سب کی سب برطانوی شاہی اقتدار و سیاست کے کامیاب بنانے کے لئے لڑی گئیں، اور

کمیٹی کی رائے میں یہ سارے اخراجات حکومت انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسی کے فوائد کے لئے یہ ساری جنگیں ہوئیں۔ اور وہی اس سے مستفید بھی ہوئی۔ اپنی اس رائے کی تائید میں کمیٹی نے لارڈ سالسبری، لارڈ نارتھ بروک وزیر ہند، سر چارلس ٹریولین، لارڈ لٹن مسٹر فوکٹ، گلیڈ اسٹون، گوکھیل سر ڈی۔ای۔ واچا وغیرہ کی رایوں کا اقتباس پیش کیا ہے۔

یورپ کی جنگ عظیم کے موقع پر جو رقوم ہندوستان سے لیکر صرف ہوئے اس کی دو تقسیم کی گئی۔ اخراجات جنگ اور عطیہ جنگ "عطیہ" کے نام سے انگلستان نے ۱۰۹ کرور ہندوستان سے جنگ کیلئے وصول کرلیا۔ کمیٹی نے ہر دو اخراجات پر اعتراض کیا ہے۔ اور اس کے استرداد کی سفارش کی ہے۔" عطیہ کے بارہ میں اُس کا خیال ہے کہ حکومت ہند کو، اُن قوانین کے ماتحت جن سے اسکی قانونی تشکیل ہوئی ہے عطیہ کرنیکا کوئی حق ہی نہیں تھا اور یہ عطیہ غیر قانونی ہے، جسے واپس ہونا چاہیئے، دوسری وجہ اس کے مطالبہ کی یہ بھی ہے کہ عطیہ کے پیش کرنے میں، ابنائے ملک کی صلاحیت کو

نظر انداز کر دیا گیا، حقیقت میں ملک کسی طرح بھی اس قدر کثیر رقم کے پیش کرنیکی صلاحیت ہی نہیں رکھتا تھا، ہندوستان نے مالی امداد کے علاوہ جس قدر جانی اور مادی امداد بہم پہنچائی تھی اس کا مقابلہ انگلستان کی کوئی نو آبادیات نہیں کر سکتی۔

اسی جنگ عظیم کے سلسلہ میں ہندوستان کو ۱۷ اکرور مزید صرف کرنا پڑا، مذکورۂ بالا رقم کا حساب اس طرح لگایا گیا ہے کہ اوسط فوجی خرچ کا ایک پیمانہ قائم کرنے کے بعد، جو ہندوستان کے استحفاظ و استحکام کے لئے ضروری ہو سکتا ہے، جس قدر بھی زیادہ صرف ہوا، اس کو ناجائز و ناروا قرار دیتے ہوئے اُسے الگ میزان کر لیا گیا۔ بس سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء تک جس قدر بھی مقررہ پیمانہ سے زیادہ صرف کیا گیا۔ اس کی میزان ۱۷ ملین آجاتی ہے، اور اُسکی واپسی کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔

غرض یہ جنگیں، جو برطانوی مقاصد کے پورا کرنے کے لئے کی گئیں اور جن کے اخراجات کا ناروا اور غیر منصفانہ بار ہندوستان پر ڈالا گیا، اس کی میزان ۳۹۷ کروڑ آجاتی ہے اور کمیٹی نے اُس کے

مسترد کرنیکی سفارش کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ سارے اخراجات انگلستان کو ادا کرنا چاہیئے، جو اس سے مستفید ہوا اور جس نے اپنے مقاصد کے لئے ان جنگوں کو روا رکھا۔

(ب) متفرقات

اس عنوان کے ماتحت دفتر ہند کے اخراجات، عدن، ایران اور چین کے سفارتوں کے اخراجات، کلیسائی اخراجات، مندرج کئے جاتے ہیں، اور اُن تمام اخراجات کی میزان ۲۰ ملین پاؤنڈ ہوتی ہے، یہ تمام اخراجات شاہی ہیں، اور ہندوستان کے بجائے، ان اخراجات کو انگلستان کے خزانہ سے ادا کرنا چاہیئے تھا اس جگہ بھی کمیٹی نے ۲۰ ملین پاؤنڈ کے مسترد کرنیکی سفارش کرتے ہوئے اپنے تائید میں میجر جنرل کولن، مسٹر اسٹیفن جیکوب، سی۔ ایس۔ آئی اور ویلبی کمیشن رپورٹ کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ ان رقوم کو ہندوستان پر ڈالنا سراسر ناانصافی ہے۔

برہما

کمیٹی نے اُن رقوم پر بھی اعتراض کیا ہے، جو حکومت برہما کے گھاٹے کو پورا کرنے کے لئے اکثر و بیشتر ہندوستان سے دیا جاتا رہا ہے، نیز توسیع ریلوے، اور اُس کے خسارے کو پورا کرنے میں، نیز استحفاظ کی کے سلسلہ میں بھی مطالبات کا ایک حساب تیار کیا ہے۔ جسے یا تو برہما کے مالیات پر ڈالنا چاہیئے، یا خود انگلستان کو برداشت کرنا چاہیئے۔

۱۵ کرور کی رقم ملکی انتظامات کے سلسلہ میں، ۲۲ کرور کی رقم خسارہ ریلوے، اور ۱۸۸۶ء سے لیکر اسوقت تک ایک کرور روپیہ سالانہ بار خرچ استحفاظ، جس کی مجموعی رقم ۴۵ کرور ہوتی ہے، جملہ ۸۲ کرور کی رقم کا مطالبہ برہما کے اخراجات کے سلسلہ میں کمیٹی نے کیا ہے جسے انگلستان کو چاہیئے کہ ہندوستان کو ادا کرے۔ (کمیٹی کے ایک ممبر نے اس سے اس وجہ سے اختلاف کیا ہے کہ برہما ہندوستان کا ہمیشہ ایک ٹکڑا رہا ہے اور جب تک اُسے علحدہ نہ کیا جائے، یہ

مطالبہ ناروا ہے)

نقصانات تبادلہ

حکومت کے زر، اور تبادلہ کی پالیسی نے جو عظیم اقتصادی نقصان ملک کو پہنچایا ہے، اور سکہ کی قیمت کو فرضی طرح پر بڑھانے سے ملک کے چاندی کی دولت کو ارزاں کر دیا ہے اس سے ملک کی تجارت کو بیحد نقصان ہوا ہے۔ بہرحال ان نقصانات تاوان، یا معاوضہ کی وصولی کے بارہ میں رپورٹ نے کوئی سفارش نہیں کی ہے۔

کونسل بل کی بکری

وزیر ہند، اپنے مطالبات وطن، کے پورا کرنے کے لئے اکثر انگلستان ہی میں ہندوستان کے نام سے ہنڈیاں فروخت کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے جو مالی نقصان ہندوستان کو ہوا ہے اُسکا حسابی اندازہ ۳۵ کرو ڑ ہے اور رپورٹ نے اسکی واپسی کی سفارش

کی ہے۔

ریلوے

اس سلسلہ میں کمیٹی نے متعدد وقیع اعتراضات کیے ہیں، اول جن کمپنیوں کو ریلوے کی تعمیر کا ٹھیکہ دیا گیا اُن کے ساتھ بیجد مراعات برتی گئی، ہر ریلوے کمپنی کو اس کی ضمانت دی گئی کہ اُن کے سرمایہ پر ایک مقررہ سود حکومت خود ادا کریگی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعمیرات ریلوے میں روپیہ کے صرف میں کافی احتیاط نہیں برتی گئی بعض حالتوں میں تو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کے اپنے اخراجات کے مقابلہ میں ان کمپنیوں کا خرچ دوگنا ہوگیا ہے، تعمیرات ریلوے میں زیادہ تر جنگی ضروریات اور نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھا گیا۔ اور اس پر بھی اس کا خرچ ملک کے منفعت بخش اور پیدا آور، صیغہ میں درج کیا گیا۔ ان اخراجات کا زیادہ تر حصہ "جنگی اخراجات" کے صیغہ میں درج ہونا چاہیئے تھا، پھر بھی رپورٹ نے ان بہت سی فروگذاشتوں کو نظر انداز کردیا ہے اور صرف عدن، صوبہ سرحد،

کے تعمیرات ریلوے کے اخراجات کے واپسی کا مطالبہ کیا ہے، کیونکہ ان کے جنگی اخراجات کے ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں عدن کا خرچ تو ہندوستان کا خرچ بھی نہیں۔

اس بنا پر صرف ۳۴ کروڑ روپیہ کا مطالبہ روا رکھا گیا ہے، جو ان متذکرہ بالا جنگی تعمیرات ریلوے کے اخراجات کا ٹوٹل ہے۔ ریلوے کمپنیوں کی میعاد کے اختتام پر حکومت نے جو اُس کی خریداری کی، تو اس وقت بھی من مانی قیمت ادا کی گئی، ریلوے حصص کی خریداری اور اسباب ریلوے کی قیمت بازار پر جو اس وقت بہت گراں تھی ادا کی گئی، کمیٹی کے خیال میں اگر معاملات کے چکانے میں حزم و احتیاط، اور مآل اندیشی سے کام لیا جاتا تو کم از کم ۵۰ کروڑ روپیہ بچا لیا جا سکتا تھا۔ اور بدیں وجہ رپورٹ نے اسکی سفارش کی ہے، اس لئے حکومت انگلستان کو ۵۰ کروڑ روپیہ ادا کرنا چاہیئے۔

اس لین دین میں ہندوستان کو جس قدر شرح تبادلہ کی خرابی کے سبب نقصانات ہوئے ہیں، اُن کے پورا کرنیکی سفارش بھی

رپورٹ میں مذکور ہے۔

مزید پیداآور صیغہ جات مثلاً نہر۔ ڈاک۔ تار کے نقصانات کے متعلق رپورٹ نے کوئی مطالبہ نہیں کیا ہے۔ ہرچند کہ نئی دہلی۔ بمبئی کے خلیج بیک (Back) کی تعمیرات پر سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔

مزید تقسیم کے لئے ان تمام حسابات کو جو اس تتمہ میں مختلف موقعوں پر درج ہیں دوبارہ ایک جگہ حسابی انداز میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ تفہیم میں سہولت ہو۔ وہو ہذا :۔

کمپنی کے دور حکومت کے اخراجات روپیہ کرور کے حساب میں

غیر ملکی جنگ	۳۵	کرور روپیہ
کمپنی کے سرمایہ وسود کی ادائگی	۳۷	"
وصولی اخراجات غدر	۴۰	"
	۱۱۲	

تاج برطانیہ کے دور حکومت کے اخراجات

غیر ملکی جنگ	۳۷	کرور روپیہ
"عطیہ جنگ" یورپ	۱۸۹	"

تاج برطانیہ کے دورِ حکومت کے اخراجات — کرور روپیہ

	کرور روپیہ
اخراجات جنگ عظیم	۱۷۱
	۳۹۷
اخراجات متفرقات	۲۰
" صوبہ برہما	۸۲
" نقصانات بکری ہندی	۳۵
" ریلوے	۸۳
میزان	۷۲۹

حکومت کے موجودہ قرضے کی میزان ۱۱۰۰ کرور روپیہ ہوتی ہے رپورٹ نے مسکت استدلال وشواہد کے ساتھ محض چند موٹی موٹی رقوم کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے جس کی میزان ۷۲۹ کرور ہو جاتی ہے۔ ورنہ اگر زیادہ سختی اور غور وفکر سے حساب کیا جائے تو یہ مطالبہ، اس قدر زیادہ ہو جائے کہ تمام قرضوں کی وصولی کے بعد بھی تقریباً ۵۳۶ کرور روپیہ انگلستان کے ذمہ گر جائے۔ مگر رپورٹ نے اسی قدر

سفارش پر اکتفا کیا ہے کہ اگر حکومت خود اختیاری کے نفاذ پر ہندوستان کو ہر قسم کے قرضوں ہی سے بری کر دیا جائے تو اس سارے بربادکن واقعات پر پردہ ڈال دیا جا سکتا ہے۔

تتمہ الف

دہاتی و شہری آبادی مطابق مردم شماری

سنہ ۱۹۲۱ء

قسم دہات و شہر	تعداد دہات و شہر	آبادی فیصد دہات و شہر	شمار آبادی
۱	۲	۳	۴
دہات ۵۰۰ آبادی کے اندر	۵۱۷,۰۳۶	۳۰٫۱۰	
۵۰۰ لغایت ۲۰۰۰	۱۵۲,۲۵۹	۴۳٫۰۵	
۲۰۰۰ لغایت ۵۰۰۰	۱۵,۹۶۵	۱۴٫۱۳	
دہاتی آبادی کا میزان کل:-		۲۸٫۷۸ فیصدی	۲۷۸,۳۷۳,۶۰۴
شہر ۵۰۰۰ لغایت ۲۰,۰۰۰	۲۳۰۸	۶٫۰۹	
۲۰,۰۰۰ لغایت ۱۰۰,۰۰۰	۲۵۳	۲٫۹۷	
۱۰۰,۰۰۰ سے زیادہ	۳۴	۲٫۵۳	
		۱۱٫۵۹ فیصدی	۳۷,۶۰۲,۲۸۶
بلا تشخیص آبادی	۴۶	۱٫۱۳ فیصدی	۲,۹۶۶,۵۹۰
		۱۰۰ فیصدی	۳۱۸,۹۴۲,۴۸۰

اس نقشہ سے ظاہر ہوگا کہ جب تک دہاتی آبادی کی اقتصادی بہبود اور رشد ہر کا بندوبست نہ ہوگا ملک کا بام ترقی پر جانا قریباً محال ہے

تقسیم آبادی مُطابق پیشہ و صنعت

نمبر	پیشہ	تعداد	
۱۔	خام اجناس کے پیدا کرنیوالے (یعنی کاشتکار)	۷۳،۱۵	فیصدی آبادی
۲۔	صنعت و تجارت، حمل و نقل میں مشغول رہنے والے	۱۷،۵۹	״
۳۔	حکومت کے صیغۂ انتظامی کے ارکان فوج و پولیس وغیرہ	۱،۵۳	״
۴۔	پیشہ ور لوگ	۱،۵۹	״
۵۔	متفرقات	۶،۱۴	״
		۱۰۰۰۰	

نوٹ:۔ اس نقشہ کے دیکھنے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا اصلی حل یہ ہے کہ زراعت پر سے غیر ضروری آبادی کا بار اٹھایا جائے۔ اور انہیں صنعتی اور دیگر کاموں میں لگا دیا جائے۔

تتمہ الف III دس ہزار کی آبادی پر مختلف قوموں کی آبادی کا تناسب اور ان میں پڑھے اور بے پڑھے کا تناسب

مذہب	تعداد آبادی بحساب فی دس ہزار	تعلیمیافتہ: تعداد مرد	تناسب	تعداد عورت	تناسب	میزان	غیر تعلیمیافتہ: تعداد مرد	تناسب	تعداد عورت	تناسب	میزان	میزان کل	کیفیت
ہندو	٦٨٥٦	٤٠٤	١١/٥٣	٤٦	١/٣٨	٤٥٠	٣١٠٢	٨٨/٤٧	٣٣٠٤	٩٨/٦٢	٦٤٠٦		یہ آبادی زیادہ تر بنگال، پنجاب، یوپی اور بہار میں ہے۔
مسلمان	٢١٧٤	٩٢	٤/٢	٨	٠/٣٧	١٠٠	١٠٤٧	٩١/٩	١٠٢٧	٩٩/٢٦	٢٠٧٤		
بُدھ	٣٦٦	٨٤	٤٨/٤٤	١٢	٦/١٩	٩٦	٨٩	٥١/٥٦	١٨١	٩٣/٨١	٢٧٠		بُدھ آبادی زیادہ تر برہما میں ہ
لامذہب	٣٠٩	٢	١/٤	٠٠	٠/١٢	٢	١٥٣	٩٨/٦	١٥٤	٩٩/٨٨	٣٠٧		
یورپین ٦/٥، انگلو انڈین ٣/٧، دیسی عیسائی ١٤/٧	١٥١	٢٤	٣٠/٩	١٣	١٨/٠٤	٣٧	٥٤	٦٩/١	٦٠	٨١/٩٦	١١٤		
سکھ	١٠٢	٥	٩/٣٩	١	١/٤	٦	٥٣	٩٠/٦١	٤٣	٩٨/٦	٩٦		
جین	٣٧	١٠	٥١/٣٤	١	٧/٦	١١	٩	٤٨/٦٦	١٧	٩٢/٤	٢٦		
پارسی	٣	١/٣	٧٨/٧٥	١	٦٦/٩١	٢/٣	٠/٣	٢١/٢٥	٠/٤	٣٣/٠٩	٠/٧		
یہودی و دیگر اقوام	٢	٠/٦٥	٥٠	٠/٢	٢٤	٠/٨٥	٠/٦٥	٥٠	٠/٥	٧٦	١/١		
	١٠٠٠٠	٦٢٣		٨٢		٧٠٥	٤٥٠٨		٤٧٨٧		٩٢٩٥		

برطانیہ ہند کی ترقی آبادی اور اسکی گنجانیت آبادی فی مربعہ میل کا حساب

(۱۸۷۱ء کو موازنہ کے لئے ایک بنیادی سال بنایا گیا ہے)

(اصولی طرح پر ہر دس سالہ دور میں ایک قوم کی ترقی آبادی بحساب دس فیصدی بڑھنا چاہئے)

حکومت کے ہمدرد ترقی آبادی کو ملک کے افلاس کا سبب بتایا کرتے ہیں۔ اور صفحات زیر بحث میں اس مسئلہ پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کے سمجھنے کے لئے یہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے فی مربعہ میل آبادی کا موازنہ انگلستان اور فرانس سے اس لئے کیا گیا ہے کہ فرانس کی آبادی ٹھہری ہوئی رہی ہے، اور انگلستان ایک بہت دولت مند ملک ہے۔

	آبادی فی مربعہ میل			بحساب فی صدی		
مردم شماری کا سال	ہندوستان	فرانس	انگلستان	ہندوستان	فرانس	انگلستان
۱۸۷۱	۲۱۵	۱۷۴	۳۸۹	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
۱۸۸۱	۲۲۷	۱۸۲	۴۴۵	۱۰۵٫۵	۱۰۴٫۶	۱۱۴٫۴

	آبادی فی مربعہ میل			بحساب فیصدی		
مردم شماری کا سال	ہندوستان	فرانس	انگلستان	ہندوستان	فرانس	انگلستان
١٨٩١	٢٢٩	١٨٥	٤٩٧	١٠٦.٥	١٠٦.٣	١٣٨
١٩٠١	٢١٠	١٨٨	٥٥٨	٩٧.٦	١٠٨	١٤٣.٤
١٩١١	٢٢٢	١٨٩	٦١٨	١٠٣.٦	١٠٨.٦	١٥٨.٨
١٩٢١	٢٢٦	١٨٤	٦٤٩	١٠٥.١	١٠٥.٧	١٦٦.٨

ملخص

	ہندوستان	فرانس	انگلینڈ اور ویلز
اضافہ نصف صدی کے اثناء میں	١.٥	٥.٧	٦٦٠٨
اوسط اضافہ دس سالہ	١١٢%	١.١٥%	١٣.٥%

وہ اضافہ جو اصولاً

(Normal) ١٠% فی صد

ہونا چاہیے۔

تتمۂ ب

سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء کے زراعتی پیداوار کا ایک نقشہ

جنس	پیداوار زمینوں کا حصہ لاکھ میں			مقدار پیداوار لاکھ کے حساب میں		
چاول	۷۶۶	لاکھ	اراضی	۲۷۳	لاکھ	ٹن
گیہوں	۲۴۶	〃	〃	۶۳	〃	〃
جو	۶۸	〃	〃	۲۱	〃	〃
جوار	۲۱۲	〃	〃	۵۰	〃	〃
باجرا	۱۴۱	〃	〃	۲۴	〃	〃
رائی	۳۸	〃	〃		×	×
مکئی	۵۹	〃	〃	۲۳	〃	〃
بونٹ	۱۴۰	〃	〃	۳۲	〃	〃
دیگر	۲۹۶	〃	〃		×	×
	۱،۹۶۶					
ترکاریاں، پھل، مسالہ	۷۸	〃	〃			
شکر	۳۰	〃	〃	۳۱	〃	〃

جنس	پیداوار زمینوں کا حساب لاکھ میں	مقدار پیداوار لاکھ کے حساب میں
قہوہ	۱	۱۹۱ ″ پاؤنڈ
چائے	۷ ″ ″	۲ ۱۶۱ و۳ ″ ″
	۳۸	
السی	۲۲ ″ ″	۳ ″ ٹن
تل	۳۵ ″ ″	۴ ″ ″
سرسوں ورائی	۳۳ ″ ″	۸ ″ ″
چینا بادام	۴۷ ″ ″	۲۵ ″ ″
ناریل	۶ ″ ″	
رینڈی	۶ ″ ″	
دیگر	۱۲ ″ ″	
	۱۶۱	
روئی	۱۴۸ ″ ″	(۴۰۰ بیل) ۱۰۱ ″ بیل
جوٹ	۳۳ ″ ″	
دیگر سداراشیا	۷ ″ ″	
نیل وافیم	۱ ″ ″	
تمباکو	۱۱ ″ ″	۶ ″ ″

جنس	پیداوار زمینوں کا حصہ لاکھ میں	مقدار پیداوار لاکھ کرحساب میں
جانوروں کا چارہ	۹۲	" "
	۲۹۲	
	۲۵۳۵	

نوٹ

یعنی تقریباً پچیس کروڑ پینتیس لاکھ ایکڑ اراضی سنہ مذکور میں آباد کی گئی

تتمہ ج

نقشہ درآمد و برآمد سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء

ا - برآمد

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
مویشی	۴۷	تعداد	۵۷۰,۵۳۰
ملبوسات	۲۴	×	
چھال اور چمڑے	۱۳۲	ٹن	۲۷۰,۸۷۵
سور اور دیگر جانوروں کے بال	۴۶	ہنڈریڈویٹ	۱۶۰,۹۵۰
موم بتی	۱۲	پونڈ	۴,۳۹۷,۵۳۲
کوئلہ	۷۷	ٹن	۶۳۴,۵۰۷
کافی	۲۳۲	ہنڈریڈویٹ	۲۷۶,۱۶۸
ناریل کا چھال او ریشہ	۱۱۴	ٹن	۳۳,۵۸۷
روئی خام	۴۸۰۱	ٹن	۴۸۲,۳۳۶
روئی کا دھاگہ	۱۸۸	پونڈ	۲۴,۶۹۶,۸۹۰
مصنوعات روئی	۶۷۹	گز	۱۶۸,۶۲۳,۷۰۸

جنس	پیداوار زمینوں کا حسنا لاکھ میں	مقدار پیداوار لاکھ کرحسا میں
جانوروں کا چارہ	۹۲	" "
	۲۹۲	
	۲٬۵۳۵	

نوٹ

یعنی تقریباً پچیس کرور پینتیس لاکھ ایکڑ اراضی سنہ مذکور میں آبادگی گئی

تتمہ ج

نقشہ درآمد و برآمد ۲۸-۱۹۲۷ء

۱- برآمد

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
مویشی	۴۷	تعداد	۵۷۰,۵۳۰
ملبوسات	۲۴	×	
چھال اور چمڑے	۱۳۳	ٹن	۲۷۰,۸۷۵
سور اور دیگر جانوروں کے بال	۴۶	ہنڈریڈ ویٹ	۱۶۰,۹۵۰
موم بتی	۱۲	پونڈ	۴,۳۹۷,۵۳۳
کوئلہ	۷۷	ٹن	۶۳۴,۵۰۷
کافی	۲۳۲	ہنڈریڈ ویٹ	۳۷۶,۱۶۸
ناریل کا چھال اور پتہ	۱۱۴	ٹن	۳۳,۵۸۷
روئی خام	۴۸۰۱	ٹن	۴۸۲,۳۳۶
روئی کا دھاگہ	۱۸۸	پونڈ	۲۴,۶۹۶,۸۹۰
مصنوعات روئی	۶۷۹	گز	۱۶۸,۶۲۳,۷۰۸

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
ادویات	۳۵	ہنڈریڈ ویٹ	
رنگ	۱۶۱		۲،۱۴۳،۴۷۱
مچھلی	۸۷		
پھل وترکاری	۱۰۶		
جو	۸۵	ٹن	۷۱،۶۲۸
سیم	۳۹	ٹن	۴۱،۹۷۷
چنا	۲۸	〃	۱۷،۵۶۷
جوار	۳۵	〃	۳۱،۱۱۵
مسور	۲۹	〃	۱۶،۵۳۸
مکا	۱۰	〃	۹،۴۹۶
مٹر	۹۲	〃	۵۷،۲۵۲
چاول	۳،۴۰۱	〃	۳،۱۸۶،۷۶۰
گیہوں	۴۴۱	〃	۲۹۹،۷۳۳
آٹا	۱۳۰	〃	۶۰،۴۲۴

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
دیگر	۳	ٹن	۱،۵۸۱
گوند	۳۰	ہنڈرڈویٹ	۶۶،۶۳۶
سن	۱۸	"	۴۸۴،۱۴۶
چمڑہ	۸۸۱	ٹن	۶۴،۳۸۱
چمڑہ (دباغت شدہ)	۹۰۷	"	۲۳،۲۵۶
سینگھ	۹	ہنڈرڈویٹ	۴۲،۱۱۰
جوٹ	۳،۰۶۶	ٹن	۸۹۱،۹۰۷
مصنوعات جوٹ	۵،۳۵۶	تعداد بورہ	۴۶۳،۱۳۹،۶۸۹
	ٹاٹ: گز		۱،۵۵۲،۷۵۱،۵۹۰
لاکھ	۶۹۹	ہنڈرڈویٹ	۵۴۳،۵۸۴
ہڈی کی کھاد	۱۲۸	ٹن	۱۲۰،۳۱۲
معدنیات	۸۹۷ میگنیز	ٹن	۷۰۳،۹۴۹
	دیگر	ٹن	۶۷۳،۷۹۲
ابرک	۹۳	ہنڈرڈویٹ	۸۲،۵۱۱

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
کملی	۳۱۴	ٹن	۲۷۵،۵۹۵
تیل	۱۷،	گیلن	۱،۳۵۸،۲۱۲
انیم	۱۹۹	ہنڈریڈویٹ	۹۶،۳۰۸
موم	۲۴۲	ٹن	۵۱،۱۳۲
لوازم خوراک	۶۱		
ربر	۲۵۷	پونڈ	۲۵،۴۰۳،۲۶۶
شورہ	۱۲	ہنڈریڈویٹ	۹۹،۰۶۳
بیج	۲،۶۷۰	ٹن	۱،۲۰۹،۹۷۳
ریشم	۶۳ خام	پونڈ	۱،۳۳۳،۵۱۹
"	۶ مصنوعات	گز	۸۸،۱۵۴
مصالحہ	۲۴۰	ہنڈریڈویٹ	۴۳۷،۵۵۱
شکر	۸	ٹن	۲،۸۹۱
چائے	۳۲۴۸	پاؤنڈ	۳۶۱،۶۱۴،۱۲۴
چورچائے	۴	"	۴،۱۱۴،۶۳۸

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
تمباکو	۱۰۶	پونڈ	۲۱,۲۴۶,۴۸۹
لکڑی	۱۶۶	مکعب ٹن	۵۰,۶۲۴
اُون	۴۳۶ خام	پونڈ	۵۰,۱۶۵,۸۹۲
	۷۹ مصنوعات		
دیگر اشیاء	۵۷۰		

۳۱,۹۱۵ لاکھ

(یعنی ۳,۱۹,۱۵,۰۰,۰۰۰ روپیہ)

٢- درآمد

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
ملبوسات	١٦٤		
اسباب حرب	١٧		
چمڑی کا تسمہ	٨٧		
کتب	٤٢		
جوتے	٢٧	جوڑے	٢،٧٧٢،٩٦٤
سامان عمارت	١٢٩		
بٹن	٣٢		
گاڑیاں	١٧		
مرکبات کیمیاوی	٢٦٥		
چینی مٹی	١٩	ہنڈریڈ ویٹ	٥٣٣،٧٩٥
گھڑیاں	٢٧	تعداد	٦٣٠،٢٤٦
کوئلہ	٦٣	ٹن	٢٧٣،٨١٨
روئی	٦٧٤	"	٦٦،٠٦٢

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
دھاگہ (سوتی)	۶۷۹	پونڈ	۵۲,۳۴۴,۵۳۴
مصنوعات سوتی	۵,۸۳۶	کپڑا: گز	۲,۰۲۶,۵۲۰,۶۸۰
		سوتی ڈورے۔ پونڈ	۴,۸۵۹,۹۹۷
		کمل "	۵,۲۲۰,۱۶۶
		شال: تعداد	۸,۳۱۰,۴۴۷
چھری کانٹے	۳۹		
سائیکل	۱۱۸	تعداد	۱۳۸,۷۸۳
ادویات	۱۹۸		
رنگ وغیرہ	۲۶۵		
مچھلی	۳۷		
مصنوعات سن	۳۷	کپڑا: گز	۲,۲۴۳,۲۸۰
		دھاگہ وغیرہ۔ پونڈ	۶۵۹,۹۸۰
پھل و ترکاری	۲۰۲		
فرنیچر	۳۱		

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
شیشہ کا سامان	۲۴۰ تختی[1] و برتن	مربع فٹ	۲۳،۴۲۵،۳۹۹
غلہ، مٹر اور آٹا	۲۳۱	ٹن	۱۶۰،۸۹۷
گوند و دھونا[2]	۴۰	ہنڈریڈ ویٹ	۱۸۹،۱۱۰
بساط خانہ	۱۲۷		
سامان آہنی	۵۲۴		
چمڑہ	۳۵	ٹن	۲،۱۸۹
گھوڑے	۳۷	تعداد	۴،۰۰۱
اوزار وغیرہ	۴۴۷		
مصنوعات ہاتھی دانت	۲۱	پونڈ	۲۷۶،۵۲۶
جواہرات	۱۵۲		
مصنوعات سن	۲۴	بورا: تعداد	۶،۱۳۱،۱۵۶
		کرنچ : گز	۲،۸۵،۰۲۲
گلایا ہوا چمڑہ	۵۷		
شراب	۳۶۷	گیلن	۷،۱۱۸،۴۵۸
مشین	۱،۵۹۴		

1. Sheets
2. Resins

اشیار	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
دیاسلائی	۳۹		
دھات	لوہا-اسٹیل ۳،۱۴۴	ٹن	۱،۱۹۷،۲۶۱
	پیتل وغیرہ ۶۹۵	ہنڈریڈ ویٹ	۲،۵۸۸،۱۹۶
موٹرکار	۶۱۷	تعداد	۲۵،۹۵۰
تیل	۱،۱۰۸	گیلن	۲۳۴،۶۷۳،۴۲۲
رنگ وغیرہ	۱۵۵		
کاغذ وغیرہ	۳۴۱	ہنڈریڈ ویٹ	۳۹۹،۳۵۰
چینی کا برتن	۸۰		
لوازم خوراک	۶۴۱		
ریلوے سامان	۴۷۷		
سامان ربڑ	۲۷۱		
نمک	۱۷۵	ٹن	۵۹۶،۲۵۰
بیج	۱۸	ہنڈریڈ ویٹ	۸۵،۹۸۰
جہاز	۱۷		

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
ریشم	خام ۱۴۵	پونڈ	۲۱۲,۵۶,۲۲۵
	۳۶۰	کپڑا: گز	۲۳,۷۴۰,۶۸۶
		دھاگا: پونڈ	۱,۴۴۰,۶۸۳
صابون	۱۶۱	ہنڈریڈ ویٹ	۴,۲۲,۴۸۹
مصالحہ	۲۵۸	"	۱,۱۱۸,۷۳۴
کاغذ پتہ	۹۲		
شکر	۱,۴۹۱	ٹن	۸۲۲,۹۰۲
چربی	۲۶	ہنڈریڈ ویٹ	۹۳,۵۱۴
چائے	۷۹	پونڈ	۷,۹۹۳,۹۲۳
چائے کا صندوق	۷۲		
تمباکو	۲۹۱	پونڈ	۹,۹۲۸,۰۴۵
سامان تزئین[1]	۶۳		
کھلونا اور سامان ورزش	۶۴		
چھاتا	۶۲		۲,۹۴,۰۳۶
لکڑی	۸۱		۲۴,۷۴۹

1 Toilet Reguioites

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	بوزن	شمار یا مقدار
اون	۴۵	پونڈ	۵،۷۸۱،۹۹۶
مصنوعات	۴۹۲	کپڑا	۱۰،۷۷۶،۸۵۵ - گز
		شال	۱،۰۸۸،۴۳۹ - تعداد
		قالین	۴،۹۶۲،۹۱۸ - پونڈ
دیگر	۱،۴۱۳		
	۲۴،۹۸۵		

(یعنی ۲،۴۹،۸۵،۰۰،۰۰۰ روپیہ)

۱۱۱- برآمد ثانی

(ہندوستان کی اشیا درآمد جو دوبارہ دوسرے ملکوں کو بھیجدی گئیں)

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار و مقدار
ملبوسات	۱۳	گز	
روئی	مصنوعات ۱۲۱	گز	۲۳۳،۹۱،۲۱۷
ڈورا - دھاگہ	۱۵	پونڈ	۱،۲۸۳،۵۶۷
پھل وترکاری	۲۰		
گوند و دھونہ	۲۵	ہنڈریڈ ویٹ	۶۰،۰۴۱
سامان آہنی	۲۶		
دھات	۲۶	ٹن	۳۶،۸۰۰
لوازم خوراک	۳	ہنڈریڈ ویٹ	۲،۸۵۸
مصالحہ	۳	″	۷،۸۶۶
شکر	۵۵	ٹن	۱۹،۸۱۱

اشیاء	قیمت بحساب لاکھ روپیہ	وزن	شمار یا مقدار
اون: خام	۸۹	پونڈ	۱۲,۷۹۹,۵۹۲
دیگر	۵۵۸		
	۹۵۴		

(یعنی ۹,۵۴,۰۰,۰۰۰ روپیہ)

توازن تجارتی (لاکھ میں)

ہندوستانی سامان تجارت کی برآمد		۳۱,۹,۱۵
بدیسی مالوں کی درآمد	۲,۴۶,۷۳	
برآمد ثانی	۹۵۴	۲۳,۷۱۹۲
ہندوستان کے حق میں توازن تجارتی		۸۱,۹۶
سونا چاندی اور کرنسی نوٹ کی درآمد		۳۲,۱۹

پختہ (Net) تجارتی توازن ہندوستان کے حق میں ۷۷,۴۹ لاکھ

نوٹ! درآمد میں ریلوے کے وہ سامان شامل نہیں ہیں جنکی خریداری اسٹیٹ ریلوے کی جانب سے ہوئی ہے۔

اسی توازن کا ایک حصہ حکومت برطانیہ نے مندرجہ ذیل صورت میں اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

کونسل بل وغیرہ دول متحدہ (برطانیہ) کے لئے	۳۷,۷۷
قرضۂ حکومت کا سود	۳۵
	۱۲,۳۸ لاکھ

۴۔ ہندوستان کا دوسرے مشہور ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلق

ملک	برآمد از ہند بحساب لاکھ روپیہ	درآمد در ہند بحساب لاکھ روپیہ
دول متحدہ برطانیہ (انگلینڈ۔ اسکاٹلینڈ۔ آیرلینڈ)	۷۸,۹۱	۱,۱۹,۲۷
متحدہ امریکہ	۳۵,۹۰	۲۰,۴۴
جرمنی	۳۰,۶۸	۱۵,۳۵
جاپان	۲۹,۰۰	۱۷,۹۰
فرانس	۱۵,۷۷	۴,۳۱
سیلون	۱۵,۱۸	۱,۹۱
اٹلی	۱۲,۶۸	۶,۷۸
بلجیم	۱۰,۸۵	۷,۴۹
جنوبی امریکہ	۱۰,۶۷	۸,۳۳
	۲,۳۹,۶۴	۲۰۱,۷۸
دیگر ممالک	۷۹,۵۱	۴۸,۰۷
	۳,۱۹,۱۵ لاکھ	۲,۴۹,۸۵ لاکھ

تتمۂ د

حسابات سنہ ۱۹۲۷-۲۶ء

۱،۰۰،۰۰۰ = ایک لاکھ - مبلغ عہ ر = ۱ شلنگ ۶ پنس = ۳۶ سینٹ (سکۂ امریکہ)

(۱) خالص اخراجات حکومت

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
قرضجات	۱۸،۴۹،۴۹،۷۳۶	۱۳،۳ %
حرب	۵۴،۷۹،۴۵،۵،۵۸۱	۳۹،۴ %
انتظامات ملکی	۵۸،۳۰،۹۱،۶۶۱	۴۱،۹ %
متفرقات	۷،۵۵،۰۷،۹۸۵	۵،۴ %
	۱۳۹،۱۴،۹۴،۹۱۲	۱۰۰،۰۰

تفصیل انتظامات ملکی

	بحساب لاکھ روپیہ	فیصد
عام اخراجات انتظامی	۱۲٫۹۰	۹٫۲۷%
محکمہ تنقیح	۸۸	۰٫۶۳%
محکمہ عدالت	۴٫۷۶	۳٫۴۲%
جیل	۲٫۱۱	۱٫۵۲%
پولیس	۱۱٫۸۰	۸٫۴۸%
بندرگاہ	۲۴	۰٫۱۷%
محکمہ امور مذہبی	۳۲	۰٫۲۳%
محکمہ سیاسی	۱٫۵۸	۱٫۱۴%
محکمہ سرحدی استحفاظ	۲٫۵۰	۱٫۸۰%
محکمہ تحقیقات علمیہ	۹۹	۰٫۷۲%
" تعلیم	۱۱٫۸۸	۸٫۵۴%
" طب	۳٫۵۳	۲٫۵۴%
" صحت عامہ	۱٫۷۳	۱٫۲۳%
" زراعت	۲٫۰۹	۱٫۵۰%
" صنعت وحرفت	۶۷	۰٫۴۸%

	بحساب لاکھ روپیہ	فی صد
محکمہ ہوا بازی	۳۰	۰٫۲۱ %
ہندوستانی اسٹور	۳	۰٫۰۲ %
	۵۸٫۳۰	۴۱٫۹۰ %

(۱۱) حکومت کی بچت آمدنی

	بعد منہا اخراجات از آمدنی عام	بچت آمدنی
محصول درآمد و برآمد	۱۸٫۱ %	۴۷,۳۶,۶۰,۳۳۸
” آمدنی	۴۳٫۳ %	۱۴,۷۷,۰۷,۸۶۷
” نمک	۱۹٫۲ %	۴۵,۳۶,۶۶,۸۹۸
” افیم	۲۲٫۰ %	۳,۰۷,۵۱,۴۲۹
” مالگذاری	۱۱٫۹ %	۳۱,۴۳,۹۰,۳۴۵
” آبکاری و ادویات		۱۷,۵۹,۳۹,۳۰۸
” اسٹامپ		۱۳,۲۸,۲۴,۹۳۳
” جنگلات		۲,۶۹,۰۸,۱۹۰
” رجسٹریشن اندراج قانونی		۷۵,۸۶,۶۱۶
خراج		۸۳,۹۷,۲۸۵

محصولات جدول (یا ابواب) ۴۰،۳۱،۲۷۵

۱،۳۷،۵۸،۶۴،۴۰۴

محکمہ	آمدنی	خرچ	
ریلوے	۳۸،۷۲،۲۸،۹۴۴	۳۲،۴۰،۳۵،۳۸۱	۶،۳۱،۹۳،۵۶۳
نہر	۲،۸۳،۹۹،۷۳۹	۱،۳۳،۹۰،۷۰۰	۱،۵۰،۰۹،۰۳۹
سود			۵،۹۷،۶۷،۶۸۶
سکہ وٹکسال	۲،۷۷،۴۶،۱۱۶	۷۰،۱۱،۴۱۳	۲،۰۷،۳۴،۷۰۳
غیر معمولی	۳،۶۱،۹۸،۵۴۳	۴۴،۸۵،۹۱۶	۳،۱۷،۱۲،۶۲۷
			۱،۵۶،۶۲،۸۲،۱۰۳
ڈاک و تار	۳،۱۱،۴۵،۶۶۱	۶۰،۴۵،۶۸۹	۲۹،۰۰،۰۲۸
		روپیہ	۱،۵۶،۳۳،۸۲،۰۷۳

(III) پیداآور سرکاری قرضہ

		بحساب لاکھ روپیہ
ریلوے ۳۹،۷۱۲	میل	۶،۶۸،۷۴
نہر اصلی ۲۲،۴۰۲	"	۱،۱۱،۴۴
" شاخ ۴۴،۵۸۷	"	
تار و ڈاک		۱۴،۶۶

	بحساب لاکھ روپیہ
جنگلات ۱۱,۰۳,۵۷۹ مربع میل	۱,۴۷
نمک	۸۶
بندرگاہ وزگا پٹم	۱۲۶
بمبئی کیلئے پن بجلی[لہ] کی تجویز	۷۰
ترقی بمبئی کی اسکیم	۴۱۶
از تجارتی کاروبار	۱,۷۷

۸,۰۵,۰۶ لاکھ روپیہ

(یعنی ۸,۰۵,۰۶,۰۰,۰۰۰ روپیہ)

(۴) تفصیل محصولات درآمد و برآمد

محصولات درآمد و برآمد

درآمد	بحساب ہزار روپیہ
ذخیرۂ حرب، اسلحہ وغیرہ	۷۳۱
کوئلہ، کوک۔ پٹرول	۱۶۰
ٹین	۸۲۰
شراب	۲,۵۵,۹۸

لہ Hydro-Electric

	بحساب ہزار روپیہ
دیا سلائی وغیرہ	۵۳،۷۲
انجن	۳
معدنی تیل	۱،۷۸،۹۲
شکر	۶،۵۱،۱۹
تمباکو	۲،۱۷،۱۳
مصنوعی ریشم۔ دھاگہ۔ پولا	۷،۹۱
روئی: پولا اور دھاگہ	۴۱،۴۵
کپڑے	۶،۲۵،۱۷
ریشمی سوتی	۷،۲۶
پورٹ لینڈ کی سیمنٹ مٹی	۹،۹۶
چھاپے کی روشنائی	۳۷
موٹر کار و سائیکل	۸۹،۵۸
ڈیوٹی ۲½٪	
مشینری	۳۱،۹۰

		بحساب ہزار روپیہ
حراکا[1] انجن و ٹنڈرس	(Tenders)	۶۸
دیگر اشیاء		۵۳
	ڈیوٹی ۱۰%	
لوہا اور اس کا پتر		۵۱،۰۹
ریل پٹریاں اور گاڑیاں		۲۸،۹۴
دیگر اشیاء		۱،۰۷
	ڈیوٹی ۱۵%	
اشیاء اکل و شرب		۱،۸۳،۰۹
خام اشیاء		۷۸،۸۵
لوہے کا سامان		۲،۱۹،۲۸
سوت و ریشہ جات	(ریشم اور سوت کے علاوہ)	۱،۸۲،۸۸
لچکیلے ٹایر اور ٹیوب ربر		۲۹،۶۰
دیگر اشیاء		۴،۷۹،۲۶
	ڈیوٹی ۳۰%	
پارچہ جات ریشمی وغیرہ		۸۸،۲۲
دیگر		۹۶،۰۲

1 LOCOMOTIVE.

برطانوی اور غیر برطانوی مال کی تفریق کرتے ہوئے ڈیوٹی میں امتیاز

غیر معمولی ڈیوٹی

لوہا اور اسٹیل لوہا

" برطانوی مصنوعات	۴۴,۷۳
غیر برطانوی مصنوعات مع فاضل ڈیوٹی	۱,۰۸,۴۲
" " بلا فاضل ڈیوٹی	۱,۷۱,۴۱
روشنائی قلم وغیرہ	۲۶,۹۲
ریلوے پٹری اور گاڑیاں (سرکاری)	۲۷,۹۲
دیگر آمدنی	۵۰,۵۴
میزان محصولات درآمد	۴۰,۴۶,۱۷

(یعنی ......۴۰,۴۶,۱۷ روپیہ)

محصولات درآمد و برآمد		بحساب ہزار روپیہ
برآمد		
چمڑے		۳۷و۳۳
سن: خام		۲و۱۸و۶۹
مصنوعات		۲و۴۱و۲۸
چاول		۱و۰۶و۵۴
چائے		۱و۳۳
حکومت کی اشیاء		۳
میزان آمدنی از محصولات برآمد		۶و۰۵و۳۰
محصولات درآمد و برآمد: متفرقات		۱۴و۴۲
کروڑگیری	(Land Custom)	۲۷و۸۰
محصولات آبکاری	پٹرول وغیرہ ۱و۲۱و۲۳	۲و۱۸و۴۱
	کراسن کا تیل ۹۷و۱۸	
گودام		۴۷
متفرقات		۵و۲۱
میزان		۲و۶۶و۳۱

آمدنی از محصولات درآمد :	۴۰,۴۶,۱۷
〃 〃 〃 برآمد :	۶,۰۵,۲۰
باقی	۴۹,۱۷,۶۸
منہا واپسی رقومات	۹۶,۲۷
	۴۸,۲۱,۴۱
منہا اخراجات	۸۴,۸۱
کروڑ گیری اور محصولات برآمد و درآمد کی بچت آمدنی	۴۷,۳۶,۶۰

(یعنی ۴۷,۳۶,۶۰,۰۰۰ روپیہ بچت آمدنی)

تتمہ د محکمہ حرب (دفاع)

دیگر حکومتوں کے ساتھ ہندوستان کے محکمہ حرب (دفاع) کے اخراجات کا موازنہ، اور اِس جگہ یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ حکومت کے جملہ اخراجات کے ساتھ اس محکمہ کے اخراجات کا فی صد کیا تناسب پڑتا ہے۔

ذیل کا نقشہ کچھ خفیف ترمیم کے ساتھ اخبار "نیوانڈیا" مورخہ ۷ اراپریل ۱۹۳۰ء سے لیکر اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔ اخبار مذکور نے یہ معلومات مسٹر آرنلڈ ٹوینبی کی کتاب "بین الاقوامی حالات کا مطالعہ" سے کیا اور اس بارہ میں خود صاحب مصنف کا ماخذ لیگ اقوام کی شایع کردہ کتاب Armament Year Book "سالنامہ حرب" ہے۔

ملک	سنہ	بجٹ پاؤنڈ اسٹرلنگ	فیصد اخراجات
ہندوستان (بمنہا قرض خدمات)	۲۸-۱۹۲۷ء	۴۲٫۶۱۷٫۵۳۵	۴۵٫۲۹٪

ملک	سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء	بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد خراجات
چین	〃	۲۰,۵۹۲,۱۸۸	۴۳٫۱۳ %
پولینڈ (بہ منہا صرف پنشن اور قرض خدمت)	〃	۱۳,۸۴۸,۸۸۸	۳۱٫۵۸ %
پرتگال (ایضاً ایضاً)	〃	۴,۴۳۷,۱۴۶	۲۷٫۳۹ %
جاپان	〃	۴۷,۲۳۵,۹۶۹	۲۶٫۵۷ %
ہسپانیہ	〃	۲۵,۵۸۹,۷۷۰	۲۵٫۹۷ %
سوئٹزرلینڈ	〃	۳,۳۸۳,۷۵۸	۲۵٫۸۳ %
لیٹ ویا (Lat Via)	〃	۱,۶۲۱,۳۰۱	۲۵٫۱۲۷ %
اطالیہ	〃	۴۵,۸۹۵,۷۴۰	۲۳٫۴۶ %
ایستھونیہ	〃	۱,۲۲۳,۸۸۰	۲۳٫۴۶ %
چیلی	سنہ ۲۷ 〃	۵,۳۵۶,۶۲۴	۲۳٫۳۲ %
میکسیکو	سنہ ۲۶	۷,۵۳۶,۲۷۱	۲۳٫۰۲ %
یونان	سنہ ۲۸-۲۷	۵,۰۱۷,۷۸۴	۲۱٫۹۲ %
فرانس	سنہ ۲۶	۶۳,۳۶۸,۶۳۵	۱۹٫۷۵ %

ملک	سنہ	بجٹ پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
جیکوسلاویا	سنہ ۲۶-۲۷	۸،۷۴۲،۷۵۳	۱۹٫۲۹ %
لیتھونیا	سنہ ۲۷	۸،۰۱۰،۸۲۹	۱۹٫۰۵ %
بولیویا	سنہ ۲۵	۵،۹۰،۶۱۲	۱۹٫۰۳ %
سویڈن	سنہ ۲۶-۲۷	۷،۵۹۷،۰۲۷	۱۸٫۷۹ %
پیرو	سنہ ۲۷	۱،۴۳۳،۷۶۶	۱۸٫۶۳ %
ارجنٹائنا	سنہ ۲۶	۲۱،۵۹۶،۵۴۵	۱۸٫۱۹ %
بلغاریہ	سنہ ۲۷-۲۸	۱،۸۳۰،۰۸۰	۱۷٫۷۹ %
برازیل	سنہ ۲۷	۷،۷۲۳،۳۷۳	۱۷٫۵۲ %
دیاوسلاواکیا	سنہ ۲۷	۱۰،۲۷۴،۳۹۰	۱۷٫۳۶ %
ارگوائی (Uruguay)	سنہ ۲۵-۲۶	۱،۵۴۴،۲۴۸	۱۷٫۰۷ %
دول متحدہ امریکہ	سنہ ۲۶-۲۷	۱۲۰،۱۷۸،۱۳۰	۱۶٫۰۹ %
سویٹ روس	سنہ ۲۵-۲۶	۶۴،۴۲۷،۰۵۵	۱۶٫۰۱ %
فنڈلینڈ	سنہ ۲۷	۳،۱۱۸،۰۸۲	۱۵٫۹۱ %
ایکوڈور (Ecuador)	سنہ ۲۷	۳،۱۴،۰۲۶	۱۵٫۸۸ %

ملک		بجٹ پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
کیوبا	سنہ ۲۷-۲۸	۲,۵۳۷,۰۵۲	۱۵/۰۵ %
برطانیہ عظمی مع شمالی آیرلینڈ	سنہ ۲۷-۲۸	۱۲۰,۶۹۵,۰۰۰	۱۴/۷۵ %
نیدرلینڈ	سنہ ۲۷	۷,۸۴۸,۳۰۹	۱۳/۰۶ %
ڈنمارک	سنہ ۲۷-۲۸	۲,۲۲۵,۲۱۹	۱۲/۱۹ %
نوروے	سنہ ۲۷-۲۸	۲,۲۱۴,۱۳۷	۱۰/۳۱ %
ہنگری	سنہ ۲۶-۲۷	۳,۹۸۹,۹۳۵	۹/۷ %
آیرلش فری اسٹیٹ (آزاد آئرلینڈ)	سنہ ۲۶-۲۷	۲,۴۸۰,۰۸۰	۷/۶۹ %
بلجیم	سنہ ۲۷	۳,۴۸۰,۰۸۰	۷/۶۷ %
جرمنی	سنہ ۲۷-۲۸	۳۳,۱۳۷,۳۸۴	۷/۱۶ %
اوسٹریلیا	سنہ ۲۶-۲۷	۵,۵۵۶,۰۰۰	۶/۲۵ %
آسٹریا	سنہ ۲۷	۲,۳۱۸,۰۸۱	۶/۳۷ %
نیوزی لینڈ	سنہ ۲۷-۲۸	۹,۵۸,۳۲۱	۳/۹۱ %

ملک	بحساب پاؤنڈ اسٹرلنگ	فی صد اخراجات
یونین آف ساؤتھ افریقہ سنہ ۳۶-۳۷	۱۰۱۲۵٬۹۰۰	۳٫۱۶ %

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے واضح ہو جاتا ہے کہ اخراجات حرب میں ہندوستان سب سے اوّل ہے اور خود امپائر برطانیہ کے دوسرے ارکان بھی اس معاملہ میں ہندوستان سے پیچھے ہی پیچھے نظر آتے ہیں۔

تتمۂ ۵

سالانہ فوجی اخراجات

(از جے۔ سی۔ کماں رپا)

اخراجات فوجی کے متعلق مسٹر کماں رپا نے کانگریس رپورٹ متعلق قرضجات حکومت کے متفقہ شفارسات کے علاوہ ایک علٰحدہ دستاویز پیش کی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان اپنے اخراجات فوجی میں دیگر بڑی بڑی حربی طاقتوں سے سبقت لے گیا ہے اور ان کے مقابلہ میں اول نمبر پر ہے۔ بلکہ اس صرفے کے باعث ہندوستان کی پیداوار اور دولت کو بے حد نقصان پہنچتا جارہا ہے۔

دیگر سلطنتوں کے ساتھ ہندوستان کے اخراجات فوجی کا ایک موازنہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

شمار بہ لحاظ افضلیت	نام ملک	آمدنی کے تناسب سے اخراجات فوجی
۱	ہندوستان	۴۵،۲۹
۲	جاپان	۲۶،۵۷
۳	اٹلی	۲۳،۴۶
۴	فرانس	۱۹،۷۵
۵	متحدہ امریکہ	۱۶،۰۹
۶	برطانیہ	۱۴،۷۵
۷	جرمنی	۷،۱۶

نقشہ بالا سے ہندوستان، اور انگلستان کی اپنی آمدنی کے لحاظ سے اخراجات کا تناسب واضح ہوجاتا ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ دیگر بڑی بڑی طاقتیں اپنے وسیع رقبہ سلطنت ونوآبادیات کے رکھنے کے باوجود اپنی آمدنی کا کس قدر حصہ محکمہ فوجی پر صرف کرتی ہیں۔ پھر حسرتناک امر یہ ہے کہ ہندوستان اپنے محکمہ فوجی پر اس قدر صرف کرنے کے بعد بھی ان افواج کو اپنی "وطنی" افواج نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہ افواج، اپنے حکمرانوں کی طرف سے

ہندوستان پر قبضہ و اقتدار قائم رکھنے کے لیے مقرر ہیں' ابتدائی دورِ حکومت میں انگریز سپاہی کم تھے۔ مگر احتیاط کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس میں ترقی دی جاتی رہی۔ پہلے انگریزی اور ہندوستانی سپاہیوں کا تناسب ۱۔ اور ۵ کا تھا۔ اب ۱ (انگریز) اور ۲ (ہندوستانی) کا تناسب ہو گیا ہے۔ انگریزی افواج کی افزونی کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ تقاضائے احتیاط۔ اخراجات کی سہولت' مہارت تعلیم کی آسانیاں' اور اسی طرح کے سیکڑوں فوائد ہیں جس کی وجہ سے انگریزی افواج کے تناسب کو اس قدر بڑھا دیا گیا ہے۔

شاہنشاہی مقاصد کے انصرام کے لئے ان افواج کو دنیا کے جس گوشہ میں ضرورت ہوتی ہے بھیج دیا جاتا ہے اور اُن کے اخراجات بھی ہندوستان کے سر ہوتے ہیں۔ گویا مشرقی سمندروں میں یہ عظیم الشان جنگی چھاؤنی اس لئے قائم کر دی گئی ہے کہ ملک پر قبضہ و اقتدار قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ شاہنشاہی مقاصد بھی ہر جگہ پوری کرتی رہے۔ جب ہندوستان کا محکمہ فوجی زیادہ تر شاہنشاہی مقاصد ہی کو پورا کرتا رہتا ہے اور مزید براں جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انگریزی فوج

کا خرچ ہندوستانی فوج کے مقابلہ میں دوگنا ہوتا ہے تو لازم ہے کہ ان اخراجات میں انگلستان کو ضرور شرکت کرنا چاہیئے۔ ویلبی کمیشن کی رپورٹ میں بھی مسٹر بوکانن (Buchanan) نے بھی ان ہی خیالات کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہندوستان کے استحفاظ کے نام سے محکمہ فوجی پر جو صرف ہوتا ہے۔ اس سے انگلستان کے شاہنشاہی مقاصد کا زیادہ تر انصرام ہوا کرتا ہے۔ اس چیز نے انگلستان کو دنیا کی ایک بڑی طاقت بنا دیا ہے حقیقت میں یہ ہندوستان ہی کی افواج تھیں جو برطانیہ کے لئے کبھی نیپال میں لڑیں، اور کبھی مورشیش، سیلون، اور سنگاپور اور دیگر ممالک پر جا قابض ہوئیں۔ ان صاف وصریح فوائد کی بنا پر جو شاہنشاہیت برطانیہ کو ہندوستانی افواج سے ہر لحظہ پہنچتا رہتا ہے۔ انگلستان کا ہندوستان کے فوجی اخراجات میں شرکت کا مسئلہ غیر مشتبہ طریقہ پر ثابت ہوچکا ہے۔ شرکت کا تناسب کیا ہوگا یہی ایک مسئلہ تصفیہ طلب رہ گیا ہے۔ جسے انگلستان کے رضامندی

---

1. India Expenditure Commission 1895 vol IV P. 149.

کے بعد آسانی سے طے کر لیا جا سکتا ہے"۔

سنہ ۱۹۰۵-۰۶ء میں سر او کلینڈ کولون وزیر مالیات ہند نے اپنے بیان کے پارہ ۱۳۶ میں یہ تحریر کیا ہے کہ "حالت جنگ کے اخراجات سے قطع نظر کرنے کے بعد ہندوستان کا اوسط فوجی خرچ ۱۵ کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں" یہ بیان بطور خود ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے نرخ اجناس کے کمی و افزونی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر زمانہ میں ہم بہت خوبی کے ساتھ محکمۂ فوجی کے اخراجات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جب قیمت اجناس کا معائنہ کیا جاتا ہے اور سنہ ۱۸۹۳ء کو ایک بنیادی سال قائم کرنے کے بعد سال بسال نرخ نامہ کی جانچ کی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اجناس و اشیاء کی قیمتوں میں سنہ ۱۹ء تک کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہوا ۔ اس کے بعد سے قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ اور رفتہ رفتہ سنہ ۱۹۱ء تک ۲۲ فی صدی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح سنہ ۱۹۱۵ء تک ۵۲ فی صدی اور سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء تک اشیاء کا نرخ دوگنا ہو گیا۔ نرخ کا مذکورہ بالا حساب سامنے رکھ کر فوجی اخراجات کا حساب بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ۱۵ کروڑ کے اوسط تخمینہ کو سامنے رکھ کر

اور افزونی قیمت کو اضافہ کرتے ہوئے۔ حسابات کی صورت یہ ہو جاتی ہے۔

سنین	اضافہ قیمت فیصدی	میزان بشمول وسط سالانہ خرچ معہ اضافہ قیمت اشیاء
از ۶۰-۱۸۵۹ء لغایت ۱۹۱۰ء	×	۱۵ کروڑ
" ۱۹۱۰ء " ۱۹۱۵ء	۳۳⅓	۲۰ "
" ۱۹۱۵ء " ۱۹۳۱ء	۱۰۰	۳۰ "

اس حساب کی صحت کی جانچ بھی اس طرح ہو جاتی ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹۱۰ء کے ۱۵ کروڑ سالانہ خرچ کے تخمینہ کے مقابلہ میں اصلی خرچ ۱۴٫۶۶ کروڑ ہوتا ہے۔ اور ۱۹۱۵ء میں جب ۳۳½ فیصدی کے اضافہ کے سبب تخمینہ ۲۰ کروڑ کا ہوگیا تو اس سال ۲۰٫۸۸ کروڑ خرچ ہوا۔ بہر حال اعادہ و تکرار کے خطرہ کے باوجود اسے یہاں پھر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وزیر مالیات کا یہ تخمینہ بھی ہماری ضرورتوں کے لحاظ سے بیحد زیادہ ہے۔ اور اگر ہماری وطنی افواج ہوتیں تو اسکے سالانہ اخراجات کی میزان بدرجہا کم ہوتی۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ ہندوستان کے فوجی اخراجات اس پیمانہ پر بھی قائم نہ رہے۔ اور خرچ دن بدن

زیادتی ہوتی گئی۔

بہر حال ذیل میں ایک نقشہ اس امر کے دکھانے کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان کے محکمہ فوجی میں ۱۵ کروڑ (مقررہ شدہ پیمانہ) بہ اضافہ قیمت اشیا سال بسال صرف ہوتا رہتا تو سنہ ۱۸۵۹ء سے اس وقت تک اس کی میزان کیا ہوتی۔

سنین	تعداد سال	پیمانہ خرچ سالانہ	حساب	میزان کروڑ
سنہ ۶۰-۱۸۵۹ء لغایت سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء	۴۰	۱۵	(۴۰×۱۵)	۶۰۰
سنہ ۰۱-۱۹۰۰ء ،، سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء	۱۵	۲۰	(۲۰×۱۵)	۳۰۰
سنہ ۱۶-۱۹۱۵ء ،، سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء	۱۶	۳۰	(۳۰×۱۶)	۴۸۰
				۱۳۸۰

مندرجہ بالا حساب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کا اوسط سالانہ فوجی خرچ سر اوکلینڈ کے مقرر کردہ پیمانہ کے مطابق ہوتا رہتا تو سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں آکر اس رقم کی میزان ۱۳۸۰ کروڑ ہوتی۔

حساب

سن ۶۰-۱۸۵۹ء لغایت ۳۱-۱۹۳۰ء کا اصلی سالانہ فوجی خرچ :- ۲۱۲۸٫۳۳

مطابق حساب علحدہ تتمہ و

سن ۶۰-۱۸۵۹ء لغایت ۳۱-۱۹۳۰ء خرچ مطابق پیمانہ مندرجہ بالا جو منہا کیا گیا } میزان ۱۳۸۰٫۰۰

باقی ۷۴۸٫۳۳

سن ۱۸۶۱ء لغایت ۱۹۱۱ء رپورٹ کے مسترد شدہ جنگی اخراجات ۳۷٫۵

اخراجات جنگ عظیم (مسترد شدہ رپورٹ) ۱۷۰٫۷

۲۰۸٫۲۰

کروڑ ۵۴۰٫۱۳ کرور

اسی لئے اوسط تخمینہ اور اصلی اخراجات کی میزان کا تفاوت لایق ملاحظہ ہوجاتا ہے اصلی خرچ حقیقت میں اس قدر زیادہ ہے کہ تمامی ان رقوم کو منہا کرنے کے بعد بھی جسے رپورٹ نے ناجائز صرف تجویز کرنے کے بعد مسترد کر دیا ہے۔ خاصی رقم باقی رہجاتی ہے اور جو قدرتی طرح پر انگلستان کے ذمہ گرجاتی ہے۔

تتمہ و

سالانہ اخراجات فوجی

(جس کا حوالہ تتمہ ہ میں دیا گیا ہے)

۶۰-۱۸۵۹ء لغایت ۲۱-۱۹۲۰ء کے فوجی اخراجات کے اعداد وشمار کے ۔ ٹی ۔ شاہ کی کتاب Sixty years of Indian Finance (شصت سالہ مالیات ہند) سے لئے گئے ہیں ۔ جسے خود مصنف نے سرکاری کاغذات سے حاصل کئے تھے ۔ ۲۱-۱۹۲۰ء سے ۲۹-۱۹۲۸ء تک کے اعداد وشمار کے خلاصے گزٹ آف انڈیا مؤرخہ ۱۱ر اپریل ۱۹۳۱ء سے حاصل کیا گیا ہے ۔ تمامی رقوم لاکھ کے حساب میں درج ہیں ۔

سال	رقوم	میزان	سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۸۵۹-۶۰	۱۹/۳۸	۱۹/۳۸	سنہ ۱۸۷۱-۲	۱۵/۱۱	
	———		سنہ ۱۸۷۲-۳	۱۴/۶۴	
سنہ ۱۸۶۰-۱	۱۶/۴۶		سنہ ۱۸۷۳-۴	۱۴/۴۵	
سنہ ۱۸۶۱-۲	۱۳/۲۵		سنہ ۱۸۷۴-۵	۱۳/۶۹	
سنہ ۱۸۶۲-۳	۱۲/۵۲		سنہ ۱۸۷۵-۶	۱۴/۶۶	
سنہ ۱۸۶۳-۴	۱۲/۲۱		سنہ ۱۸۷۶-۷	۱۵/۳۲	
سنہ ۱۸۶۴-۵	۱۲/۷۱		سنہ ۱۸۷۷-۸	۱۷/۷۲	
سنہ ۱۸۵۵-۶	۱۳/۵۳		سنہ ۱۸۷۸-۹	۱۸/۳۲	
سنہ ۱۸۶۶-۷	۱۲/۰۸		سنہ ۱۸۷۹-۸۰	۲۲/۲۹	۱۶۱/۷۴
سنہ ۱۸۶۷-۸	۱۲/۳۳			———	
سنہ ۱۸۶۸-۹	۱۵/۵۸		سنہ ۱۸۸۰-۱	۲۷/۵۹	
سنہ ۱۸۶۹-۷۰	۱۶/۲۰		سنہ ۱۸۸۱-۲	۱۶/۹۶	
	———	۱۳۶/۸۸	سنہ ۱۸۸۲-۳	۱۸/۰۸	
سنہ ۱۸۷۰-۱	۱۵/۵۴		سنہ ۱۸۸۳-۴	۱۷/۹۹	

سال	رقوم	میزان	سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۸۸۴-۵	۱۷/۳۶		سنہ ۱۸۹۶-۹۷	۲۴/۵۶	
سنہ ۱۸۸۵-۶	۲۰/۰۹		سنہ ۱۸۹۷-۹۸	۲۷/۰۳	
سنہ ۱۸۸۶-۷	۲۱/۱۲		سنہ ۱۸۹۸-۹۹	۲۴/۳۱	
سنہ ۱۸۸۷-۸	۲۱/۱۳		سنہ ۱۸۹۹-۱۹۰۰	۳۳/۰۷	۱۲۴/۳۶
سنہ ۱۸۸۸-۹	۲۱/۱۴				
سنہ ۱۸۸۹-۹۰	۲۱/۵۹	۲۰۲/۰۸	سنہ ۱۹۰۰-۱	۲۳/۲۱	
			سنہ ۱۹۰۱-۲	۲۴/۲۴	
سنہ ۱۸۹۰-۹۱	۲۱/۶۱		سنہ ۱۹۰۲-۳	۲۶/۴۵	
سنہ ۱۸۹۱-۹۲	۲۴/۵۴		سنہ ۱۹۰۳-۴	۲۷/۲۱	
سنہ ۱۸۹۲-۹۳	۲۳/۹۸		سنہ ۱۹۰۴-۵	۳۱/۰۴	
سنہ ۱۸۹۳-۹۴	۲۴/۳۲		سنہ ۱۹۰۵-۶	۲۹/۵۱	
سنہ ۱۸۹۴-۹۵	۲۵/۷۳	۱۲۰/۱۸	سنہ ۱۹۰۶-۷	۳۰/۲۵	
			سنہ ۱۹۰۷-۸	۲۸/۸۷	
سنہ ۱۸۹۵-۹۶	۲۵/۳۹		سنہ ۱۹۰۸-۹	۲۹/۴۰	

سال	رقوم	میزان	سال	رقوم	میزان
سنہ ۱۹۰۹-۱۰	۲۸،۶۶	۲۷۸،۸۴	سنہ ۱۹۲۱-۲	۶۹،۸۱	
			سنہ ۱۹۲۲-۳	۶۵،۲۶	
سنہ ۱۹۱۰-۱	۳۱،۸۹		سنہ ۱۹۲۳-۴	۵۶،۵۲	
سنہ ۱۹۱۱-۲	۲۹،۳۳		سنہ ۱۹۲۴-۵	۵۵،۶۳	
سنہ ۱۹۱۲-۳	۲۹،۳۴		سنہ ۱۹۲۵-۶	۵۵،۹۹	
سنہ ۱۹۱۳-۴	۲۹،۸۴		سنہ ۱۹۲۶-۷	۵۵،۹۷	
سنہ ۱۹۱۴-۵	۳۰،۸۰		سنہ ۱۹۲۷-۸	۵۴،۷۹	
سنہ ۱۹۱۵-۶	۳۳،۳۹		سنہ ۱۹۲۸-۹	۵۵،۱۰	
سنہ ۱۹۱۶-۷	۳۷،۴۸		سنہ ۱۹۲۹-۳۰	۵۵،۱۰	۶۱۱،۲۵
سنہ ۱۹۱۷-۸	۴۳،۵۶				
سنہ ۱۹۱۸-۹	۶۶،۷۲		سنہ ۱۹۳۰-۳۱	آر-ای	۵۴،۳۰
سنہ ۱۹۱۹-۲۰	۸۶،۹۷	۴۱۹،۳۲			
سنہ ۱۹۲۰-۱	۸۷،۳۸				

میزان ۲۱۲۸،۳۳ کروڑ روپیہ

National Industrial Conference Board.

The Report of the Congress Select Committee on the Financial Obligations between Great Britain & India, Bombay. 1931

The Report of the Indian Fiscal Commission 1921-22

The Satistical Abstract of British India.

Statesman's Year Book

The Indian Economic Journal Allahabad,

The Mysore Journal of Economics, Banglore City.

Minutes of Evidence on the Affairs of the East India Company.

SHAH, K. T. *Sixty Years of Indian Finance*, 2nd. *Ed*, *Trade. Tariffs and Transport in India*, 1923.

,, AND KHAMBATTA *The Wealth Taxable Capacity of India*, London. King and Son, 1925.

SHIRRAS, G. F. *Indian Finance and Banking*, London, Macmillan, 1920. *Report on an Enquiry into Working Class Budgets in Bombay*, Government Central Press, 1923. *The Science of Public Finance*, London, Macmillan, 1925.

SMITH, H. B. LEES *India and the Tariff Problem*, London, Constable, 1909.

VAKIL, C. N. *Our Fiscal Policy*, Bombay, Taraporwalla, 1923. *Financial Developments in Modern India*, London, King & Son, 1924.

VAKIL, C. N. and MURANJAN. *Currency and Prices in India* London, King and Son, 1927.

VISVESVARAYA. SIR M. *Reconstructing India*, London, King and Son, 1920.

WACHA D. E. *Indian Railway Finance*, Madras, Natesan, 1912.

WADIA, P. A. *The Wealth of India*, London, Macmillan, 1925.

WADIA P. A. AND JOSHI, *Money and Money Market in India* London, Macmillan, 1926.

WILLIAMS RUSHBROOK *India in* 1923-24.

YUSUF ALI A. *The Making of India*, *London*, *Black*, 1915.

Cost of Government in the United States,

MARSHALL, A. *Industry and Trade*, London, Macmillan, 1920.
MATTHAI, JOHN *Village Government in British India*, London, Fisher Unwin, 1915.
MEHTA, N. B. *Indian Railways : Rates and Regulations* London, P. S. King and Son, 1927.
MOOKHERJI, RADHAKUMUD *A History of Indian Shipping*, New York, Longmans, 1927.
MUKHERJI, RADHAKAMAL *Foundations of Indian Economics*, New York, Longmans Green, 1916. *Principles of Comparative Economics*. London, P S. King and Son, 1922. *Borderlands of Economic*, London, Allen and Unwin, 1925 *The Rural Economy of India*. New York, Longman, 1926.
PAUL K. T. *The British Connection with India*, London, Student Christian Movement, 1927.
PECK, H. W. *Taxation and Welfare, New York Macmillan, 1925*.
PILLAI, P. *Economic Conditions in India*, London, Routledge, 1925.
RANADE; M. G. *Essays on Indian Economics*, Madras. Natesan, 1916.
RUDERFORD. V. H. *Modern India*, London Labour Publishing Co., 1927.
SAMADDAR J. N. *The Economic Condition of Ancient India* Calcutta University, 1922.
SELIGMAN, E. R. A. *Studies in Public Finance*, 1925.
Essays in Taxation, 1925.
The Shifting and Incidence of Taxation, 1927

HUNTER, SIR WM. *The India of the Queen and Other* Essays 1903,

HYNDMAN, H. M. *Bankruptcy of India,1888*;The Truth About India.

IYER, K. V. *Indian Railways*, London Milford, 1924.

JEVONS, H. S. *Exchange and Indian Currency*, London, Milford, 1922.

KALE, V. G. *Indian Industrial and Economic Problems*, Madras, Natesan *Gokhale and Economic Reforms*, Poona, Aryabhushan Press. *Indian Economics, 6th Ed*, 1917. Poona, Aryabhushan Press.

KUMARAPPA J. C. *A Survey of Matar Taluka*, Ahmedabad, Navajivan Press, 1931.

LAJPAT RAI, *England's Debt to India*, New York, B. W, Huebsch, 1917.

Unhappy India, Calcutta, Banna Publishing Co. 1928.

LOVEDAY A. *History and Economics of Indian Famines*, London, Bell. 1914.

LUTZ H. L. *Public Finance*, New York, Appleton 1925.

MACAULAY, LORD. *Essays & Biographies*, London, Longman Green and Co.

MACDONALD, J. R. *The Awakening of India*, London, Hodder Stoughton. 1910. *The Government of India* London, Viking, 1920

COYAJEE J. C. *Inuian Fiscal Problem.* Patna, Patna University, 1924.

DAVENPORT H. J. *Economics of Enterprise*, New York, Macmillan 1925.

DUBEY, D. L. *The Indian Public Debt*, Bombay, Taraporewalla and Son 1930.

DIGBY, WM. *Ruining of India : Indian Problem for English Consideration 'Prosperous' British India*, London, Unwin 1901.

DUTT R. C. *Economic History of India, 1902, India under Early British Rule, India in the Victorian Age*, London, Kegan, Paul, Trench; *Famines in India* : Truberner and Co., 1906.

GADGIL, D. R. *The Industrial Evolution of India*, London, Milford, 1924.

GHOSE S. C. *Indian Railway Rates*, Government Press, 1918. *Lectures on Indian Railway Economics*

HAMILTON C. J. *Trade Relations between England and India*, Calcutta, Thacker Spink, 1919.

HAMILTON, SIR D. *India Her Present and future*, Calcutta, *Calcutta Review 1916*.

HERBER, BISHOP *Journal of Travels*.

HOBSON, J. A. *Work and Wealth*, London, Macmillan 1916

HOLLAND, W. E. S. *The Indian Outlook*, London, Edinburgh House Press, 1917.

HOWARD, H. F. *India and Gold Standard*, Calcutta, Thacker Spink, 1911.

حوالے

وہ کتب جس سے اس کتاب کے لکھنے میں
مددلی گئي - اور حوالے دئے گئے

ADAMS, BROOKS : *The Law of civilisation and Decay*, New York, Macmillan, 1921.

AMBEDKAR, B. R. *The Problem of the Rupee*, London, King and Son, 1923.

ANSTEY, VERA : *The Economic Development of India*. London, Longmans Green and Co. 1929.

BADEN-POWELL, B. H. *Land System of British India* Oxford, Clarendon Press, 1892. *Land Revenue in British India* Oxford, Clarendon Press, 1913.

BAL-KRISHNA *Commercial Relation between England and India*, London, Routledge, 1924.

BANERJEA, P. *A Study of Indian Economics*, London, Macmillan and Co. *Indian Finance in days of the Company*, Macmillan and Co 1928. *Provincial Finance in India*, Macmillan and Co. 1929. *A History of Indian Taxation*, Macmillan and Co. 1930.

BLUNT, W. S. *India under Ripon*, London T. and F. Unwin, 1909.

مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب

پر

تبصرہ

اے۔ آر۔ سلیگ مین۔ پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک:۔
"یہ مقالہ غیر معمولی قابلیت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے"

پروفیسر ایچ۔ ڈبلیو۔ پیک:۔
"آپ کا تبصرہ ناقابل انکار حقیقتوں سے مملو ہے۔ آپ نے مالیات عامہ کے مسئلہ کو بیحد حسن وقابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے اگر مندرجہ حالات صحیح ہیں اور ان کے غلط ہونیکی کوئی وجہ نہیں، تو اس کا مطالعہ ہندوستان کی رائے عامہ پر اثر ڈالے بغیر نہ رہے گا، بلکہ اس کا اثر انگلستان کے آزاد طبقے پر بھی پڑ سکتا ہے۔

مہاتما گاندھی:۔ "میں اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں جس میں خیالات سے زیادہ واقعات وحالات پیش کئے گئے ہیں۔"

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قرول باغ۔ دہلی

دار الاشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف (پٹنہ)

اصلاحیہ بک ڈپو محلہ مہندرو بانکی پور پٹنہ۔ فضل حق۔ ڈاکخانہ نرسنگھ گیا)